عمران ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ
وحشی

عمران ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

ایم اے راحت

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

۳۷ - اردو بازار - کراچی
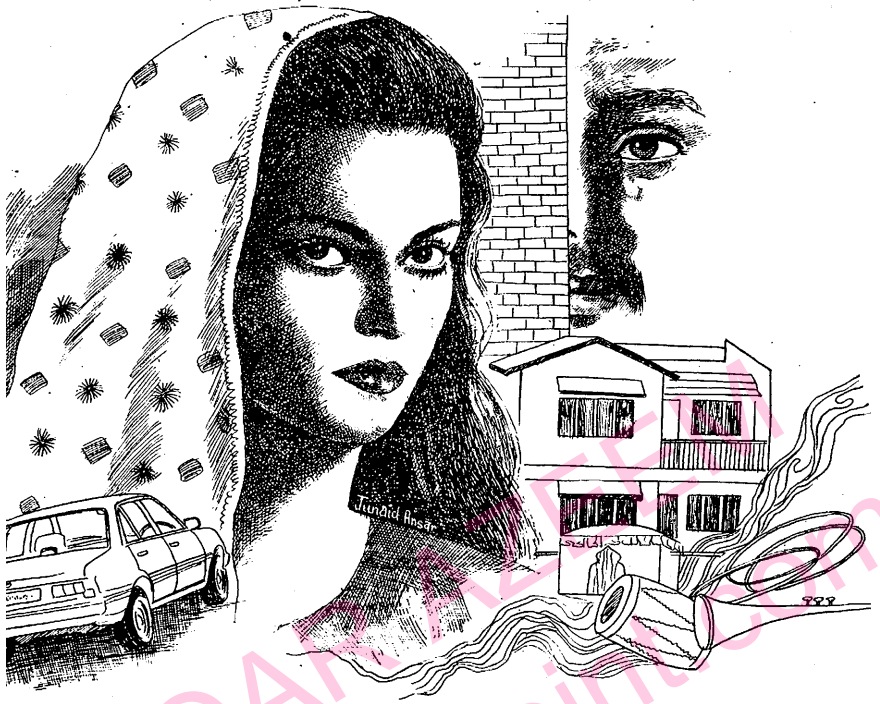
فریب دینے والوں کے لیے ایک پُرفریب داستان

اس شاطر انسان کی کہانی جس کا دعویٰ تھا کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا مجرم ہے

جرم کے انوکھے انداز، ڈرامائی واقعات کی حشر سامانیاں

شدید سردی تھی۔ پورا رن وے کہر میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن ڈیوٹی ڈیوٹی ہوتی ہے اور ڈیوٹی کے دوران موسم کی شدت کو نظر انداز کرنا ہی پڑتا ہے۔ ایئرپورٹ کا عملہ بھی مستعد تھا۔ جہاز رن وے پر اتر چکا تھا اور اس کے مسافروں کو آرام سے اتارنا، عملہ کی ذمہ داری ۔ ! چنانچہ اس برف آلود موسم میں، جبکہ عام لوگ لحافوں سے منہ نکالنا بھی پسند نہیں کرتے۔ ایئرپورٹ کا عملہ اپنی ذمہ داریوں میں مصروف تھا۔

سیڑھی لگ گئی تو مسافر نیچے اترنے لگے۔ سبھی سب سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔ انہیں گاڑیوں میں بٹھا کر ایئرپورٹ کی عمارت میں لایا گیا۔ اور کسٹم کا عملہ اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینے میں مصروف ہو گیا۔

سامان کی چیکنگ ہو رہی تھی۔ اور مسافر اپنے اپنے سامان کی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ کسٹم افسر اُن کے سوٹ کیس اور دوسری چیزیں دیکھ دیکھ کر نشانات لگاتے جا رہے تھے۔

پھر ایک کسٹم آفیسر نے ایک خوبصورت اور وزنی سوٹ کیس کو اپنے سامنے سرکایا اور سوالیہ انداز میں مسافروں کی طرف دیکھنے لگا۔ اس سوٹ کیس کا مالک نوجوان آگے بڑھ آیا۔ یہ ایک دراز قامت نوجوان تھا۔ عمدہ لباس میں ملبوس۔ شگفتہ چہرہ خدوخال سے اس کی قومیت کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل ہی تھا۔ بڑی بڑی روشن آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

"چابی" کسٹم افسر نے سرد لہجے میں کہا۔ اور نوجوان نے چابی اس کی طرف بڑھا دی۔ اور پھر جونہی سوٹ کیس کھلا کسٹم آفیسر کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ سوٹ کیس میں سب سے پہلی چیز جو آفیسر کو نظر آئی تھی وہ جدید ساخت کی ایک اسٹین گن تھی۔

"یہ۔ یہ سوٹ کیس آپ کا ہے؟" اس نے چونکنا ہو کر نوجوان کو گھورا۔

"جی ہاں۔ اس کی چابی میں نے ہی آپ کو دی ہے۔"

"یہ کیا ہے؟" کسٹم آفیسر کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"اسٹین گن۔" نوجوان سکون سے بولا۔

"خوب" "اور کیا ہے اس میں" کسٹم آفیسر نے حفاظتی عملہ کے لوگوں کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور وہ لوگ نزدیک ہو گئے۔

"ہلکے دستی بم ہیں۔ دو پستول ہیں اور چھ کپڑے۔" نوجوان معصومیت سے بولا۔ اور کسٹم آفیسر جلدی جلدی چیزیں الٹنے لگا۔ نوجوان کا بیان درست تھا۔ وہ چیزیں موجود تھیں جن کی اس نے نشاندہی کی تھی۔

"آپ جہاز سے غیر قانونی اسلحہ لائے ہیں۔ اور بھی سامان ہے آپ کا؟"

"جی ہاں۔ یہ دوسرا سوٹ کیس بھی میرا ہے۔" نوجوان نے کہا اور آفیسر نے بوکھلائے ہوئے انداز میں دوسرا سوٹ کیس بھی کھول ڈالا۔ ایک اور سنسنی خیز لمحہ۔ دوسرا سوٹ کیس مقامی اور غیر ملکی کرنسی سے بھرا ہوا تھا۔

"یہ ..... یہ ..... آفیسر کی سانس پھولنے لگی۔"

"کرنسی ہے۔" کیا یہاں میں بھوکا مروں گا۔ دراصل آپ میرے نام سے واقف نہیں ہیں جناب۔ میرا خیال ہے پہلے میرا تعارف ہو جائے۔ مجھے "زیرو" کہتے ہیں۔ آپ کی زبان میں صفر ایک بے حقیقت نقطہ، یا دائرہ۔ لیکن۔ اگر غور کریں تو یہ دائرہ کتنی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک کے دس۔ دس کے سو۔ سو کے ہزار۔ ہزار کے لاکھ۔ کیا خیال ہے۔ کیا میں بے حقیقت ہوں۔"

"تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟"

"میری جیب میں" نوجوان نے جواب دیا۔

"کیا اسے چیک کر لیا گیا؟"

"تمہیں اپنے عملے پر اعتماد نہیں ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"پاسپورٹ پر تمہارا نام کیا درج ہے؟"

"ایڈورڈ تھمب" لیکن یہ صرف پاسپورٹ پر درج شدہ نام ہے۔ میری اصلیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"گویا تم نے پاسپورٹ میں اپنا نام غلط درج کرایا ہے۔"

"بلاشبہ" نوجوان نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ میں ایک جرائم پیشہ شخص ہوں۔ اور اس ملک میں میں جرائم کے ارادے سے آیا ہوں۔ میرا طریقہ کار ایسا ہی ہے۔ پہلے میں یہاں قدم جماؤں گا۔ ایک عمدہ حیثیت اختیار کروں گا اور اس کے بعد۔ اس کے بعد تم دیکھ لینا" نوجوان نے مسکرا کر آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"تب میرا خیال ہے میں تمہیں اس کا موقع نہ دوں۔ اور یہاں جرائم شروع کرنے سے قبل ہی ...."

"ہاں یہ تمہارا فرض ہے آفیسر۔ اور افسران کو فرض شناس ہونا ہی چاہئے" بس اب یہ سامان بند کر دو۔

آفیسر نے اس کے سوٹ کیس بند کر دیئے۔ وہ مطمئن تھا۔ حفاظتی عملے کے لوگ پوری طرح مستعد تھے اور اس کے ایک اشارے پر نوجوان پر قابو پا سکتے تھے۔

"کیا یہ بکس بھی تمہارا ہے؟" اس نے تیسرے بکس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں" لیکن براہِ کرم اسے بند ہی رہنے دیں۔

"کیوں؟"

"تم مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہو نا؟"

"ہاں" آفیسر کو اس شخص کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ جہاز میں سفر کرنے والے خوش نصیب لوگ ہیں ورنہ اگر یہ شخص جہاز میں بھی کوئی ہنگامہ برپا کر دیتا تو جہاز کی سلامتی ناممکن تھی۔

"اگر تم مجھے گرفتار کرنے کے خواہشمند ہو آفیسر تو اس بکس کو مت کھولو"

"میں اسے کھولنے کے بعد بھی تمہیں گرفتار کر لوں گا، بے فکر رہو" کسٹم آفیسر نے اس بکس [illegible] کھول لیا۔ لیکن جونہی اس نے بکس کا ڈھکن اٹھایا، ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا۔ اور دھوئیں کا ایک عظیم الشان بادل بلند ہو گیا۔

آفیسر نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کے بدن نے کام چھوڑ دیا ہو۔ دھوئیں کا حجم اتنی تیز رفتاری سے بڑھا تھا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

کسٹم ہاؤس میں جتنے لوگ تھے سب کے سب بوکھلائے ہوئے انداز میں ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ لیکن ان کے اعضا ان کے ساتھی نہیں تھے۔ وہ نہ آواز نکال سکتے تھے نہ ہل جل سکتے تھے۔

بس ایک سکتے کی سی کیفیت طاری تھی جیسے کوئی فلم چلتے چلتے رک گئی ہو۔ اور ساری تصویریں ساکت ہوں۔

"قصور تمہارا ہے آفیسر۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا" نوجوان کی آواز ان کے کانوں میں ابھری۔ صرف وہ تھا جو اس طلسم خانے میں حرکت کر سکتا تھا۔ نہ جانے اس پر کیوں یہ بے رنگ دھواں اثر انداز نہیں ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنے دونوں سوٹ کیس ٹھیک کئے اور انہیں ہاتھوں میں لٹکا لیا۔

"اچھا دوستو خدا حافظ۔ اور ہاں آفیسر پولیس کو میرے بارے میں تفصیلی اطلاع ضرور دے دینا۔ وہ دونوں سوٹ کیس ہاتھوں میں لٹکائے باہر نکل آیا۔ شدید سردی کے باعث ائر پورٹ پر صرف ضروری لوگ ہی تھے کسٹم سے اس سے قبل بھی چند لوگ فارغ ہو کر باہر نکل آئے تھے اس لئے کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی اور وہ اطمینان سے ایر پورٹ سے باہر نکل آیا۔ ایک ٹیکسی اسکے قریب پہنچ گئی تھی۔

ہوٹل میٹروسائن کے ریکریشن ہال میں ہلکی ہلکی موسیقی گونج رہی تھی۔ نوجوان جوڑے چوبی فرش پر موسیقی کی لے کے ساتھ ساتھ تھرک رہے تھے۔ ٹھنڈی روشنی میں ماحول خاصا خوشگوار اور رومانی محسوس ہو رہا تھا۔ یہاں آنے والے زیادہ تر سنجیدہ اور اعلیٰ طبقے کے لوگ ہوا کرتے تھے۔ اس لئے کسی بیہودگی کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جب قریب کی ایک میز سے ایک تنہا نوجوان اٹھ کر رقص کرنے والے لوگوں میں شامل ہو گیا تو ہونٹوں پر مسکراہٹیں بکھر گئیں۔ نوجوان شاید نشے میں معلوم ہوتا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور دونوں ہاتھ اس پوزیشن میں لے آیا تھا جیسے اس کے ساتھ اس کی ہم رقص موجود ہو اور ایسی شکل بنائے ہوئے وہ چوبی فرش پر دوسرے جوڑوں کے درمیان رقص کر رہا تھا۔ لوگ اس کے لئے راستہ چھوڑ دیتے تھے۔ تقریباً جس نے بھی اسے دیکھا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی لیکن بات اسی حد تک نہ رہی۔ ایک بار جب ایک رقص کرتا ہوا جوڑا اتفاقیہ طور پر اس سے ٹکرا گیا تو اس نے نہایت چابکدستی سے اس شخص کی ہم رقص کو اپنی طرف کھینچ لیا اس دوران اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ البتہ لڑکی کو رقص کی پوزیشن پر لا کر رقص شروع کر دیا۔ لڑکی ایک دم ٹھٹھک گئی۔ اس نے اپنے آپ کو لڑکے کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی لیکن گرفت اتنی مضبوط تھی کہ ناکام رہی۔ اس کا ہم رقص متحیرانہ انداز میں حلق پھاڑے کھڑا تھا۔ یہ درمیانی عمر کا ایک شریف صورت شخص تھا جس کی کنپٹی کے بال سفید تھے اور جس کی جسامت خاصی تھی۔ چند ساعت تو وہ اسی طرح اس لڑکے کو دیکھتا رہا اور اس نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ اس کی ہم رقص نوجوان کی گرفت میں کسمسا رہی ہے اور شاید نکل جانا چاہتی ہے اور شاید اس میں ناکام ہے اور پھر جب اسے صورت حال کا احساس ہوا تو اس کے جسم میں خون کی روانی تیز ہو گئی۔ وہ غصیلے انداز میں آگے بڑھا اور اس نے اپنا چوڑا ہاتھ نوجوان کے شانے پر رکھ کر اسے روکنے کی کوشش کی لیکن نوجوان ایک لمبی لہر لے کر اس کی گرفت سے نکل گیا تھا۔ لڑکی بدستور اس کی باہوں میں تھی حالانکہ وہ رقص نہیں کر رہی تھی لیکن نوجوان اسے رقص ہی کے انداز میں گھسیٹ رہا تھا۔ اس بار شاید لڑکی کے ہم رقص کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا چنانچہ وہ نوجوان کے نزدیک پہنچا اور اس کے بال پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ نوجوان نے متحیرانہ انداز میں آنکھیں کھول دی تھیں اور پھر وہ احمقوں کی طرح آنکھیں جھپکانے لگا۔ قوی ہیکل شخص نے لڑکی کو اس کی گرفت سے آزاد کرا لیا اور خونخوار لہجے میں بولا۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"بدتمیزی نہیں رقص ہے رقص" نوجوان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور اس نے ایک بار پھر لڑکی کو اپنی گرفت میں لینے کی

کوشش کی لیکن قوی ہیکل شخص کا گھونسہ اس کی طرف بڑھا۔ نوجوان نے انتہائی پھرتی سے ایک دوسرے جوڑے کے مرد کو آگے کر دیا اور اس قوی ہیکل شخص کا گھونسہ اس دوسرے شخص کی ٹھوڑی پر پڑا۔ گھونسہ خاصا زوردار تھا وہ شخص اچھل کر نیچے جا پڑا۔ نوجوان اطمینان سے الگ ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا اور اس شخص پر بوکھلاہٹ کے دورے پڑ گئے تھے۔ وہ نوجوان کو بھول کر معذرت آمیز انداز میں اس شخص کی طرف بڑھا جو اس کے گھونسے سے نیچے گر پڑا تھا اور پھر اس نے گرے ہوئے شخص کو اٹھانے کی کوشش کی۔

"معاف کیجئے گا جناب۔ اس بدتمیز شخص کی وجہ سے۔" اس نے کہنا چاہا لیکن نیچے گرے ہوئے شخص کو یہ بات شاید سنائی نہیں دی چنانچہ اس نے دوسرے لمحے ایک بھرپور لات قوی ہیکل شخص کے پیٹ پر مار دی۔ قوی ہیکل شخص کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ دوسرے لمحے گرا ہوا نوجوان اٹھ گیا اور اس نے وحشیانہ انداز میں قوی ہیکل شخص پر حملہ کر دیا لیکن قوی ہیکل شخص واقعی طاقتور تھا۔ اس نے دوسرے نوجوان کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور بدستور اس سے معذرت آمیز لہجے میں بولا۔

"دیکھئے آپ میری بات تو سن لیجئے۔ وہ دراصل۔" لیکن دوسرے نوجوان نے اسے جملہ پورا کرنے نہیں دیا تھا اور بری طرح اسکی گرفت سے خود کو آزاد کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ رقص کرنے والے رک گئے اور منتظمین اس جانب دوڑے لیکن جو ہنگامہ کرانے والا تھا وہ ان لوگوں سے کافی فاصلے پر چلا گیا۔ وہ نوجوان اب بھی اسی انداز میں رقص کر رہا تھا جیسے اس کی ہم رقص اس کے ساتھ ہو۔ لوگ ایک دوسرے سے باز پرس کرنے لگے اور اصل صورت حال پتہ ہی نہ چل سکی۔

بمشکل تمام اس نوجوان کو قابو کیا گیا جو گھونسے کا شکار ہو گیا تھا۔ قوی ہیکل شخص کو اب بھی اس پر غصہ نہیں آیا تھا۔ اور وہ معذرت آمیز انداز میں اس سے یہی کہہ رہا تھا کہ یہ سب کچھ غلط فہمی کی بنا پر ہوا۔ دراصل اس کا مستحق دوسرا شخص تھا اور جب اس شخص کی تلاش میں اس نے نگاہیں دوڑائیں تو اس کا پارہ چڑھ گیا۔ وہ تیزی سے نوجوان کی جانب بڑھا اور جب اس نے نوجوان کے کوٹ کے کالر پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تو نوجوان پھر جھکائی دے کر آگے بڑھ آیا۔ لیکن اب بھی اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ رقص کی ایک لہر لیکر اس طرف نکل آیا ہو اور پھر تو ایک عجیب و غریب ہنگامہ برپا ہو گیا۔ قوی ہیکل شخص بھی شاید اپنی شخصیت بھول کر غصے سے دیوانہ ہو گیا تھا وہ اس نوجوان کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کوشش میں مختلف لوگوں سے ٹکرا رہا تھا اور نوجوان تھا کہ چھلاوے کی طرح اس کو ادھر اُدھر نچا رہا تھا۔ اور خاص بات یہ تھی کہ انداز رقص ہی کا تھا۔ اب تو بے شمار قہقہے ابھرنے لگے تھے۔ نوجوان کی اس حرکت پر بہت سے لوگ ہنس رہے تھے۔ ویسے قوی ہیکل شخص سے کسی شخص نے الجھنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ اب صورت حال ہر شخص کی سمجھ میں آ گئی تھی تب منتظمین کو ہی غصہ آیا اور بہت سے لوگ اس نوجوان کی طرف دوڑ پڑے۔ چند لمحوں میں وہ پکڑ لیا گیا اور ہوٹل کے منیجر نے اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

نوجوان نے پھر اس انداز میں آنکھیں کھول دیں جیسے اب تک سب کچھ سوتے میں کر رہا ہو۔ اس نے متعجبانہ انداز میں سب کی شکلیں دیکھیں اور پھر کراہتے ہوئے بولا۔ "میں...... میں کہاں ہوں؟"

"کیا بکواس ہے۔ یہ کیا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے تم نے؟"

"ہنگامہ۔ میں نے...." نوجوان نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔ اس کے چہرے پر بڑی معصومیت نظر آ رہی تھی۔ یوں بھی وہ ایک نہایت خوبصورت نوجوان تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں میں خواب آلود سی کیفیت تھی اور چہرہ تو ایسا الگ رہا تھا جیسے اس نے کبھی اس دنیا کی شکل ہی نہ دیکھی ہو۔

"کیا تم پاگل ہو؟"

"قطعاً نہیں۔" نوجوان نے انتہائی معصومیت سے کہا۔

"یہ سب کچھ کیا شروع کر رکھا ہے تم نے؟"

"میں.... میں نے تو..... اوہ میرا کمرہ..... میرا کمرہ کہاں ہے۔" نوجوان کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

"شاید زیادہ پی گیا ہے جناب"۔ انتظامیہ کے ایک شخص نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ایسا ہی لگتا ہے لیکن کیا یہ ہمارے ہی ہوٹل میں مقیم ہے؟" منیجر نے سوال کیا۔ اور ایک سپروائزر آگے بڑھ کر بولا۔

"جی ہاں جناب۔ روم نمبر ۱۳۱ کا مسافر ہے۔ بظاہر شریف آدمی ہے، لیکن میرا خیال ہے ضرورت سے زیادہ پی گیا ہے۔"

"اوہ، اسے اس کے کمرے میں لے جاؤ۔ ورنہ ہنگامہ ہو جائے گا۔" منیجر نے کہا۔ اور دو آدمی اس نوجوان کو بازوؤں سے پکڑ کر اس کے کمرے کی طرف لے جانے لگے۔ نوجوان نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ اب اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آ رہے تھے جیسے وہ سخت غمزدہ ہو۔ پھر جب اسے ریکریشن ہال سے نکال کر لفٹ تک لایا گیا تو اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ لوگ تکلیف نہ کریں میں خود ہی چلا جاؤں گا۔"

"وہ پھر کوئی ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کر دے گے"۔ ان میں سے ایک شخص بولا۔

"نہیں دوستو ایسی بات نہیں ہے۔ میں بڑا بدنصیب انسان ہوں"۔ نوجوان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب ہے" ان میں سے ایک شخص نے پوچھا لیکن وہ لوگ اسے لفٹ میں لے ہی گئے تھے اور لفٹ اوپر کی منزل کی طرف جا رہی تھی۔

"دراصل میں ذہنی مریض ہوں۔ کبھی کبھی میرے اوپر ایسے ہی دورے پڑ جاتے ہیں حالانکہ ان کا وقفہ مختصر ہوتا ہے لیکن اسی مختصر وقت میں نہ جانے کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ کسی تنہا جگہ میں رہوں۔ کسی ایسی جگہ نہ جاؤں جہاں ہنگامے کا خطرہ ہو۔ مگر بدقسمتی صرف میری بدقسمتی"۔ نوجوان کے انداز میں اتنی اداسی اور معصومیت تھی کہ وہ دونوں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں اور پھر شانے ہلا کر رہ گئے۔ لفٹ دوسری منزل پر رک گئی اور وہ نوجوان کو گیلری میں لے کر آ گئے۔

"اب تمہاری حالت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہوں" نوجوان نے مایوسانہ لہجے میں کہا اور آگے بڑھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔ پھر جب وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا تب وہ دونوں واپس پلٹے تھے۔

"کیا وہ واقعی ٹھیک کہہ رہا تھا" ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا۔

"خدا جانے آج کل کے یہ نوجوان نجانے کیا کیا شرارتیں کرتے رہتے ہیں۔ ویسے اس نے ماحول کو کافی خراب کر دیا تھا" دوسرے نے جواب دیا اور دونوں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے۔

نیچے کا ہنگامہ اب ختم ہو گیا تھا لیکن ریکریشن ہال پر جوڑے نہیں تھے۔ موسیقی آہستہ آہستہ اپنے رنگ بکھیر رہی تھی۔ ویٹر نے شراب کی دوسری بوتل اس کی میز پر رکھ دی۔ نوجوان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور اس کے چہرے پر عجیب سی غم آلود کیفیت بکھری ہوئی تھی نفاست سے شراب کی دوسری بوتل میز پر رکھنے کے بعد ویٹر نے ادب سے گردن جھکا کر کہا۔

"کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے جناب؟"

"ویٹر" نوجوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا

"یس سر"

"کیا تم میرے لئے تھوڑا سا زہر مہیا کر سکتے ہو؟" نوجوان اسی انداز میں بولا۔

"جی" ویٹر نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"میں مرجانا چاہتا ہوں خدا کی قسم۔ میں مرجانا چاہتا ہوں"۔ اگر تم نے مجھے اس شراب میں زہر ڈال کر نہیں دیا تو میں اس کھڑکی سے کود کر خودکشی کر لوں گا۔ نوجوان نے ایک ایسی کھڑکی کی جانب رخ کر کے کہا جس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور جن سے باہر نکل جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ویٹر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایسے لوگوں سے اکثر اس کا واسطہ پڑتا رہتا تھا جو شراب پینے کے بعد بڑی عجیب و غریب حرکتیں کرتے تھے اور پھر یہ شخص تو فطرتاً تھا ہی عجیب۔ جس دن سے ہوٹل میں آیا تھا کوئی نہ کوئی ہنگامہ برپا کرتا رہتا تھا۔ پچھلی رات اس نے ریکریشن ہال میں خاصا ہنگامہ مچایا تھا اور منیجر اس سے ناخوش تھا۔ منیجر نے اس کے کمرے میں آکر درخواست بھی کی تھی کہ اگر وہ خود پر قابو نہیں پا سکتا تو کم از کم اپنے کمرے تک ہی مقیم رہے یا اس ہوٹل سے کہیں اور مقیم ہو جائے تاکہ ہوٹل کی ریپوٹیشن خراب نہ ہو۔ نوجوان نے انتہائی شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے اسے بتایا تھا کہ وہ ایک مرض کا شکار ہے۔ یہ باتیں ہوٹل کے عملے کے دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو گئی تھیں۔ بہرصورت ہوٹل میں تو ہر قسم کے لوگ آیا ہی کرتے تھے پھر کسی نے ان باتوں پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی لیکن ویٹر اس کی اس وقت کی بات سے خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"لیکن جناب آپ خودکشی کرنا ہی کیوں چاہتے ہیں" اس نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"میں بہت غم زدہ انسان ہوں میرے دوست" نوجوان غمگین لہجے میں بولا "جب میں بہت چھوٹا سا تھا تو میری بلی مر گئی تھی۔ اس کے بعد میں نے بلیوں کی بے وفائی سے دل شکستہ ہو کر بندر پالنے شروع کر دیے لیکن بندر، بس وہ بھی بھاگ جاتے ہیں۔ یہاں کوئی کسی کا نہیں ہے۔ ویٹر اس لئے میں خودکشی کر لینا چاہتا ہوں"۔

"اوہ مجھے آپ سے ہمدردی ہے جناب"

"ہمدردی ہے تو میرے لئے زہر مہیا کر دو"۔

"بہتر ہے میں کوشش کروں گا" ویٹر نے جان چھڑانے کی غرض سے کہا۔ اسے علم تھا کہ نوجوان کے سامنے رکھی ہوئی شراب کی ساری بوتل خالی ہو چکی ہے اور اب اس نے دوسری بوتل بھی طلب کی ہے۔ ممکن ہے دوسری بوتل خالی ہونے کے بعد وہ کھڑکی کی سلاخوں سے نکلنے کی کوشش کرے۔ بہرحال وہ واپس پلٹا تو دوسرے لمحے نوجوان کی کرخت آواز اسے سنائی دی اور ویٹر پھر رک گیا۔

"ادھر آؤ" نوجوان نے کہا اور ویٹر پھر اس کے قریب پہنچ گیا۔ نوجوان نے قریب رکھا ہوا اخبار اس کے سامنے ڈال دیا۔

"کیا تم اسے پڑھ سکتے ہو؟" نوجوان نے بدستور کرخت لہجے میں کہا اور ویٹر کی نگاہیں اخبار پر دوڑنے لگیں۔ وہ پڑھا لکھا آدمی تھا۔ نوجوان کے اشارے پر اس نے اس خبر پر نگاہیں دوڑائیں جس خبر کو وہ پہلے ہی پڑھ چکا تھا۔ کسٹم ہاؤس سے فرار ہونے والے ایک ایسے شخص کی تفصیل تھی جو یقینی طور پر جرائم پیشہ تھا اور جو ائیرپورٹ پر دھماکہ کر کے کسٹم ہاؤس سے اپنا سامان لے بھاگا تھا۔ اس سامان میں بہت سی خطرناک چیزیں تھیں جن میں کرنسی بھی تھی۔

"پڑھ لی تم نے یہ خبر؟"

"جی ہاں جناب۔" ویٹر نے جواب دیا۔

"کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں؟"

"کوئی چالاک مجرم۔" ویٹر نے جواب دیا

"خوب خوب۔ کیا تمہارے خیال میں یہ شخص قابلِ داد نہیں ہے جس نے اتنے اطمینان سے کسٹم آفیسرز کو دھوکہ دیا اور وہ چیزیں لے کر نکل بھاگا جو قابلِ اعتراض تھیں؟"

"جی ہاں جناب خاصا خطرناک مجرم معلوم ہوتا ہے۔" ویٹر نے جواب دیا اور نوجوان نے جھوم کر اپنی جیب سے ایک بڑا نوٹ نکال کر ویٹر کے حوالے کر دیا۔

"یہ رکھو تم مجھے خاصے سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تم جانتے ہو یہ نوجوان کون تھا؟"

"نہیں جناب میں نہیں جانتا۔"

"تو جان لو اور اسے دیکھ لو۔"

"جی کیا مطلب؟" ویٹر متعجب سے بولا

"تم یقین کرو میرے دوست وہ میں ہوں۔ اتنے سارے لوگوں کو چکمہ دے کر بآسانی اس ملک میں آگیا اور جانتے ہو میں کس ارادے سے یہاں داخل ہوا ہوں؟" ویٹر کی آنکھوں میں تعجب کے آثار تھے۔ پہلے تو وہ یہی سوچتا رہا کہ نوجوان نشے میں ہے اور یہ بکواس نشے کی حالت میں کی جاسکتی ہے لیکن پھر اس کے ذہن میں خیال آیا کہ ممکن ہے کہ وہ سچ بول رہا ہو کیونکہ اکثر لوگ نشے کی حالت میں سچ بول دیا کرتے ہیں۔

"تم نے جواب نہیں دیا ویٹر۔ میں نے تم سے کوئی سوال کیا تھا۔" نوجوان نے اپنے سامنے رکھے ہوئے گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے کہا۔

"نہیں جناب میں نہیں جانتا۔" ویٹر نے جواب دیا۔

"میں دنیا کا سب سے بڑا مجرم ہوں۔ جرائم میرے وجود کے ذرے ذرے میں پوشیدہ ہیں۔ بیشتر ممالک میں میں نے ایسے ایسے ہنگامے برپا کئے ہیں کہ وہاں کی پولیس آج بھی مجھے یاد کر کے دانت پیستی رہتی ہے لیکن مجال ہے کسی کی کہ کوئی میرا بال بھی بیکا کر سکا ہو۔ میں جرائم کے ایسے ایسے انوکھے طریقے ایجاد کرتا ہوں کہ لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔ اب تم یہی دیکھو کہ کسٹم ہاؤس میں دو بکس کھولے گئے۔ جن میں سے ایک میں کرنسی بھری ہوئی تھی جبکہ دوسرے میں اسٹین گن اور دوسرے ہتھیار لیکن تیسرے بکس سے وہ دھماکہ ہوا جو ان بکسوں کو وہاں سے نکالنے میں معاون ہو سکتا تھا اور اب میں یہاں رہ کر یہ ثابت کروں گا کہ میں سب سے بڑا مجرم ہوں اور میرے مقابلے پر کوئی جرائم پیشہ شخص نہیں ٹک سکتا۔

"جی ہاں، جی ہاں جناب۔"

"تو ویٹر ایسی حالت میں تم خود ہی بتاؤ کہ کیا تم اپنے وطن کو ایک ایسے مجرم سے پاک کرنا نہیں پسند کرو گے؟"

"میں نہیں سمجھا جناب۔" ویٹر نے گھبراتے ہوئے کہا۔

"مجھے زہر دے دو۔ دیکھو میں تمہیں ایک صحیح مشورہ دے رہا ہوں۔ مجھے شراب میں ملا کر زہر دے دو تاکہ میں مر جاؤں جس کے بعد وہ جرائم نہ ہوں جو میری زندگی کی وجہ سے ظہور پذیر ہونے والے ہیں۔"

"جی بہتر ہے میں ابھی زہر لے کر آتا ہوں۔" ویٹر تیزی سے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اس کے ذہن میں یہی خیال تھا کہ ممکن ہے نوجوان نشے میں یہ بکواس کر رہا ہو لیکن جو بات اس نے کی تھی وہ اتنی سنسنی خیز تھی کہ ویٹر اپنے آپ کو منیجر کے کمرے تک جانے سے نہ روک سکا۔

منیجر سر جھکائے اپنے کام میں مصروف تھا۔ اس نے نگاہ اٹھائی اور ویٹر کو سامنے کھڑے ہوئے پایا تو چونک کر بولا۔ "کیا بات ہے؟"

"وہ جناب ایک اطلاع دینا چاہتا ہوں۔" ویٹر نے جواب دیا

"کیسی اطلاع؟" منیجر نے پوچھا۔

"میں روم نمبر ۱۳ میں سروس کر رہا ہوں۔"

"تو پھر؟"

"یہ وہی روم ہے جناب جہاں وہی نوجوان مقیم ہے جس نے ڈائننگ ہال میں ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔"

"کوئی خاص بات ہے؟" منیجر نے پوچھا

"جی ہاں جناب وہ اس وقت نشے میں ہے اور نشے کے عالم میں اس نے ایک ایسی بات بتائی ہے جس کی وجہ سے میں آپ کے پاس آنے پر مجبور ہو گیا۔" ویٹر نے کہا اور منیجر اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"کوئی خاص بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں جناب۔"

"تو پھر بکواس کرو تا۔" منیجر کسی قدر جھنجھلاتے ہوئے انداز میں بولا۔

"ابھی کل کے اخبار میں ایک خبر چھپی تھی جناب اور خبر یہ تھی کہ ایئر پورٹ پر کسٹم ہاؤس میں ایک شخص کسٹم آفیسرز کو دھوکہ دے کر کرنسی اور اسلحہ لے بھاگا تھا۔"

"ہاں میں نے وہ خبر پڑھی تھی لیکن" منیجر نے کہا۔

"نوجوان نے نشے کے عالم میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ یہی ہے اور وہ جرائم کرنے کے لئے ہمارے ملک میں آیا ہے۔ اس وقت وہ نشے کی کیفیت میں ہے جناب اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر میں نے اسے زہر مہیا نہیں کیا تو وہ اس ملک میں تباہی مچا دے گا۔"

"کیا بکواس ہے تم ایک ایسے آدمی کی بات پر بھروسہ کر رہے ہو جو نشے میں ہے۔"

"نہیں جناب بھروسے کی بات نہیں لیکن میں نے اپنے طور پر یہ مناسب سمجھا کہ اس بات کی اطلاع آپ کو دے دوں" ویٹر نے کہا اور منیجر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اچھا ٹھیک ہے میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"بہتر جناب" ویٹر نے جواب دیا اور سلام کر کے باہر نکل آیا منیجر اپنا داہنا گال کھجا رہا تھا۔ چند ساعت تو اس نے سوچا کہ ویٹر کی بات پر کیا اعتبار کرنا۔ وہ ایک نشے میں ڈوبے ہوئے شخص کے بارے میں یہ اطلاع دے رہا ہے لیکن پھر اس سے بھی نہ رہا گیا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے اپنے نزدیکی پولیس اسٹیشن کا نمبر ڈائل کیا اور فون اپنے کان سے لگا لیا۔

"ہیلو" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں میٹرو ہوٹل کا منیجر بول رہا ہوں جناب۔"

"کس سے بات کرنا چاہتے ہو؟"

"انسپکٹر صاحب سے۔"

"میں انسپکٹر بول رہا ہوں۔"

"جناب میں ایک ایسے آدمی کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں جو یہ اعتراف کر رہا ہے کہ اس نے پرسوں رات ایئر پورٹ کسٹم ہاؤس میں دھماکہ کیا تھا اور وہ چیزیں لے کر نکل بھاگا تھا جو ناجائز تھیں یعنی کرنسی اور اسلحہ۔"

"اوہ وہ نوجوان کہاں ہے؟" انسپکٹر نے سوال کیا۔

"ہمارے ہی ہوٹل میں کمرہ نمبر ۱۳۱ میں مقیم ہے۔"

"لیکن اس نے یہ اعتراف کیوں کیا ہے؟"

"وہ نشے کے عالم میں ہے جناب اور اس وقت بھی شراب پی رہا ہے۔"

"کیا وہ کوئی ایسا شرابی تو نہیں ہے جو فضول بکواس کرنے کا عادی ہو؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"میں نہیں کہہ سکتا جناب لیکن وہ پرسوں ہی ہمارے ہاں آکر مقیم ہوا ہے اور کل رات اس نے ہوٹل کے ریکریشن ہال میں بھی ہنگامہ کیا تھا پھر اس نے ہمارے سپروائزر سے کہا کہ وہ دوہری شخصیت کا مالک ہے یعنی اس پر دورے پڑتے ہیں۔ اسوقت اس نے اس ہنگامے کی کافی معذرت بھی کی تھی اور اس وقت اس شخص نے ویٹر سے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے۔"

"کیا آپ ہمارا وقت ضائع کرنا چاہتے ہیں مسٹر منیجر" انسپکٹر نے تند لہجے میں کہا۔

"نہیں جناب اگر آپ اس شخص کو گرفتار بھی کر لیں گے تو میں جانتا ہوں کہ اس کی گرفتاری پر ایک لاکھ روپے کا نقد انعام نہیں ہے جو میں اس سے فائدہ حاصل کر لوں۔ اس نے ایک ویٹر کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا اور میں نے ایک اچھے شہری ہونے کی حیثیت سے آپ کو اس بات کی اطلاع دے دی ہے" منیجر نے بھی ناخوشگوار لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔ اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ پولیس کا رویہ اچھا ہوتا ہی کس شخص کے ساتھ ہے منیجر نے ہونٹ سکوڑ کر سوچا اور ان کے معاملات میں ٹانگ اڑانا حماقت نہیں تو اور کیا ہے اور پھر وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا لیکن تقریباً بیس منٹ کے بعد ایک پولیس انسپکٹر تقریباً چار سپاہیوں کے ساتھ اس کے کمرے میں پہنچ گیا۔ منیجر جو کام میں مشغول ہو کر اس گفتگو کو بھول چکا تھا۔ انہیں دیکھ کر ایک دم چونک پڑا۔

"سوری منیجر۔ میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔ آپ نے ابھی کچھ دیر قبل مجھے فون کیا تھا نا۔" انسپکٹر نے نرم لہجے میں کہا۔

"میرا موڈ اس وقت زیادہ خوشگوار نہیں تھا۔ میرا خیال ہے میں نے اس وقت آپ سے مناسب گفتگو نہیں کی تھی۔ بعد میں میں نے سوچا کہ آپ نے واقعی اپنا فرض ادا کیا ہے۔ میں بھی کیوں نہ اپنا فرض ادا کر ہی لوں۔ مجھے اس شخص کے کمرے تک لے چلئے۔ کیا وہ شخص اس وقت اپنے کمرے میں موجود ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ جب وقت میں نے آپ سے اس کے بارے میں گفتگو کی تھی۔ اس کے بعد میں نے اس پر غور نہیں کیا۔" منیجر نے جواب دیا۔

"تب براہ کرم آئیے" انسپکٹر نے کہا اور منیجر اپنی میز کے پیچھے سے نکل آیا۔

اس کے بعد وہ اوپر کی منزل کی طرف جا رہے تھے۔ روم نمبر ۳۱ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ پہلے منیجر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور پھر اس کے پیچھے پولیس۔ نوجوان اب بھی شراب کی چھوٹی چھوٹی چسکیاں لے رہا تھا۔ پھر اس نے بڑی آسودہ نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پولیس انسپکٹر" اس نے نشہ آلود لہجے میں کہا۔

"ہاں" انسپکٹر آگے بڑھ آیا "میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں"۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ پولیس کا کام ہی سوالات کرنا ہے۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"آپ کہیں باہر سے آئے ہیں؟"

"ہاں" نوجوان نے جواب دیا۔

"کہاں سے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"اس دروازے کے باہر سے، پہلے میں باہر تھا اب اندر آ گیا" نوجوان نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور پولیس افسر کے ساتھیوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خوب" لیکن میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس سے قبل تم کہاں رہتے تھے؟" انسپکٹر کے لہجے میں اب سختی آ گئی تھی۔

"بہت سی جگہوں پر" انسپکٹر میں آدمی ہوں اور آدمی کا کوئی ایک ہی ٹھکانا نہیں ہوتا۔ میں تمہیں اپنے کون کون سے ٹھکانے بتاؤں" اس نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"میں پوچھتا ہوں کہ تم اس سے قبل کہاں رہتے تھے؟" انسپکٹر نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ایسے ہی ایک دروازے کے پیچھے" اس نے جواب دیا اور پولیس انسپکٹر اپنے ساتھیوں کی طرف ہونٹ بھینچ کر دیکھنے لگا۔ پھر بولا "اس کمرے کی تلاشی لو" اور اس کے ساتھی چاروں طرف پھیل گئے۔ انہوں نے نوجوان کے مختصر سامان کی ایک ایک چیز الٹ پلٹ کر دی۔ اس دوران نوجوان اطمینان سے بیٹھا شراب کی چسکیاں لیتا رہا اور انسپکٹر خاموشی سے اس کا جائزہ لیتا رہا اور پھر اس نے غصیلے لہجے میں کہا "کھڑے ہو جاؤ"۔

"مجھے سہارا دو میں کھڑا نہیں ہو سکتا" نوجوان نے جواب دیا اور انسپکٹر نے کالر پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔

"شکریہ" نوجوان نے اس طرح کہا جیسے انسپکٹر کی اس کوشش پر اس کا بڑا ممنون ہو۔

"تمہیں میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا پڑے گا"۔

"چلو چلو میں کب منع کر رہا ہوں۔ پھر پولیس کا بھی تو مجھ سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جہاں میں وہاں پولیس۔ یہ دوسری بات ہے کہ کبھی کبھی جب میرا موڈ ہوتا ہے تو پولیس میرے پیچھے ہوتی ہے اور میں آگے آگے"۔ اس نے آنکھیں بھینچ کر منیجر کی جانب دیکھا اور ہنسنے لگا۔ پولیس انسپکٹر نے اس کا کالر پکڑا اور اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا اور وہ کئی قدم دوڑتا چلا گیا پولیس کے سپاہیوں نے اسے سنبھال لیا تھا ورنہ شاید وہ گر ہی پڑتا اور پھر پولیس انسپکٹر اسے لئے ہوئے نیچے آ گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اسے گاڑی میں بٹھاؤ۔ پھر اس نے منیجر سے کہا۔

"یہ ممکن ہے منیجر کہ یہ شخص صرف نشے میں بکواس کر رہا ہو بہر صورت اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو تمہیں میری مدد کرنا ہو گی۔"

"میں حاضر ہوں جناب جو آپ چاہیں میں اس پر عمل کروں گا"

"بہت بہت شکریہ"۔ ممکن ہے کہ یہ کوئی غیر ملکی ہی ہو۔ ایسی حالت میں ہم زیادہ پریشانی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ بہر صورت اپنا شبہ رفع کرنے کے لئے ہم تحقیقات ضرور کریں گے۔"

"میرا جو بھی تعاون آپ چاہیں حاصل کر سکتے ہیں" منیجر نے انسپکٹر کو یقین دلایا اور انسپکٹر باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ شخص لاک اپ میں تھا اور بے حد مسرور تھا۔ اس دوران اس نے کئی بار مختلف اشعار بھی سنائے تھے، جو کبھی انگریزی میں ہوتے کبھی فرنچ میں اور کبھی جرمن زبان میں۔ انسپکٹر انگریزی زبان کے علاوہ اور کوئی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن بہر حال اس نے الفاظ کی ساخت سے اندازہ لگایا کہ یہ مختلف زبانیں ہو سکتی ہیں اور اس سے اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ نوجوان کم از کم کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔ وہ پریشان بھی تھا اور اس کی یہ خواہش بھی تھی کہ وہ اتنے بڑے مجرم کو گرفتار بھی کرے جس نے ایئر پورٹ کسٹم ہاؤس میں ہنگامہ کیا تھا۔ پھر اس نے اپنے افسر اعلیٰ سے رابطہ قائم کیا اور اسے تفصیلات بتانے لگا۔

"لیکن کیا تمہارے پاس کوئی واضح ثبوت ہے کہ یہ وہی شخص ہے۔ ممکن ہے کہ یہ کوئی شرابی ہو اور نشہ کی حالت میں بکواس کر رہا ہو"۔

"ثبوت تو کوئی نہیں ہے جناب میں نے صرف شبہ کی بنیاد پر اسے گرفتار کیا ہے"۔ انسپکٹر نے جواب دیا۔

"اس کے سامان کی تلاشی لی گئی؟"

"جی ہاں سامان کی تلاشی لے لی ہے"۔

"اس میں کوئی ایسی چیز برآمد ہوئی جو مشتبہ ہو؟"

"جی نہیں"۔ البتہ اس کی جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی

برآمد ہوئی ہے جس کی مالیت تقریباً ساڑھے نو ہزار ہے۔“

”ہوں۔ یہ تو کوئی ایسا ثبوت نہ ہوا جو قابلِ توجہ ہو۔ کوئی پاسپورٹ وغیرہ یا کوئی ایسی چیز۔۔۔۔“

”جی نہیں ایسی اور کوئی چیز اس کے سامان سے نہیں برآمد ہوئی۔“

”تاہم تم نے خطرہ مول لیا ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ پولیس پر ہتک عزت کا دعویٰ نہ کر دے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے جناب لیکن ہمارے گواہ بھی ہیں۔ اس نے خود چیخ چیخ کر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ دنیا کا خطرناک ترین مجرم ہے۔ اور وہ ہے، جو ایئرپورٹ سے ہنگامہ کر کے غائب ہوا تھا۔“

”لیکن اب اس سلسلے میں تم کیا ارادہ رکھتے ہو؟“ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے پوچھا۔

”جو حکم ہو جناب۔“ میں نے تو آپ کو اطلاع دینا ضروری سمجھا تھا۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔ میں پہنچ رہا ہوں۔ اور ہاں تم کسٹم ہاؤس فون کر کے اس کسٹم آفیسر کے بارے میں معلوم کرو جس کی موجودگی میں یہ ہنگامہ ہوا تھا اور اگر وہ مل جائے تو اسے پولیس اسٹیشن طلب کر لو۔ معذرت کرتے ہوئے اسے اصل صورت حال بتا دینا میرا خیال ہے کسٹم والے ہم سے پورا پورا تعاون کریں گے“ ایس پی نے کہا اور انسپکٹر نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایئرپورٹ کسٹم سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔ جس کسٹم آفیسر کی موجودگی میں یہ ہنگامہ ہوا تھا وہ اس وقت وہیں موجود تھا اور اس کا نام نیاز احمد تھا۔ پولیس انسپکٹر نے اسے تفصیل بتائی اور کسٹم آفیسر وہاں پہنچنے کے لئے تیار ہو گیا۔

”یوں بھی میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں انسپکٹر میری ڈیوٹی رات کو آٹھ بجے شروع ہو گی۔ اس لئے میں پہنچ رہا ہوں۔“

”بہت بہت شکریہ جناب۔ آپ تشریف لے آئیے ہماری ایک بہت بڑی مشکل حل ہو جائے گی۔“

”جی بہتر میں آ رہا ہوں“ کسٹم آفیسر نے کہا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔ اس کے بعد کسٹم آفیسر پولیس اسٹیشن پہنچ رہا تھا ایس پی پولیس بھی پولیس اسٹیشن پہنچ چکا تھا اور اس نوجوان شخص کو دو تین بار دیکھ چکا تھا جو بظاہر تو نشے میں معلوم نہیں ہوتا تھا لیکن اس کی حرکات غیر مناسب سی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔

کسٹم آفیسر کا استقبال بھی پولیس افسران نے پرتپاک انداز میں کیا۔ انسپکٹر نے کھڑے ہو کر اس سے ہاتھ ملایا اور ایس پی نے بھی۔ اسے بٹھانے کے بعد انہوں نے اسے تھوڑی سی تفصیل بتائی اور کسٹم آفیسر اس بات کے لئے تیار ہو گیا کہ وہ اس کی شناخت کرے۔

”آپ کو یقین ہے کہ آپ اس کو پہچان لیں گے؟“ ایس پی نے پوچھا۔

”یقیناً جناب بھلا میں اس شخص کو بھول سکتا ہوں“ کسٹم آفیسر نے جواب دیا اور پھر وہ لوگ اس لاک اپ کی طرف چل پڑے جہاں وہ نوجوان موجود تھا۔

”وہی ہے“ کسٹم آفیسر نے دور ہی سے اندازہ لگا لیا۔ اور انسپکٹر اور ایس پی چونک پڑے۔ انہوں نے متحیرانہ نگاہوں سے کسٹم آفیسر کی طرف دیکھا۔ اس دوران وہ کچھ اور آگے بڑھ آئے تھے پھر وہ لاک اپ کے دروازے کے نزدیک پہنچ گئے۔

”آپ کو یقین ہے مسٹر نیاز“ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے پوچھا

”جی ہاں جناب سر مو فرق نہیں ہے“ میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں بلکہ اسے پہچاننے والا میں ہی نہیں بلکہ میرے عملے کے دوسرے لوگ بھی ہیں یقینی طور پر وہ میری بات کی تصدیق کریں گے“

”اگر یہ بات ہے کسٹم آفیسر تو ہمیں انسپکٹر کو مبارک باد دینی چاہیے جنہوں نے بڑی جانفشانی سے اس شخص کو گرفتار کیا ہے۔ ہمیں بس یہی شبہ تھا کہ نشے میں ڈوبا ہوا یہ شخص کہیں کوئی اور نہ ہو“

”بالکل نہیں جناب۔ یہ وہی شخص ہے۔ لیکن کیا آپ نے اس کا سامان برآمد کر لیا ہے۔ میرا مطلب ہے وہ دو بکس جن میں سے ایک میں کرنسی بھری ہوئی تھی اور دوسرے میں اسٹین گن اور دستی بم وغیرہ۔“

”اوہ نہیں ایسی کوئی چیز اس کے کمرے سے نہیں ملی“

”اس کا مقصد ہے کہ اس نے وہ چیزیں کہیں پوشیدہ کر دیں“ کسٹم آفیسر نے کہا۔

”وہاں جب آپ یہ تصور کر رہے ہیں کہ یہ وہی شخص ہے تو پھر اس نے ایسا ہی کیا ہو گا۔ لیکن ہم سے بچ کر کہاں جائے گا۔ آپ سے تو نکل آیا اب یہ خود اپنی زبان میں ان چیزوں کی نشاندہی کرے گا“ پولیس افسر نے کہا اور پھر وہ تینوں وہاں سے واپس پولیس آفس میں آ گئے۔ آفس میں بیٹھ کر کسٹم آفیسر کے لئے چائے وغیرہ منگوائی گئی اور پھر وہ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد ایس پی اور انسپکٹر اس شخص کے لئے آئندہ کا پروگرام تجویز دینے لگے۔ پھر ایس پی نے کہا ”تمہیں یقین ہے انسپکٹر کہ تم اس شخص کی زبان کھلوا سکو گے؟“

"جی ہاں جناب" بھلا ہمارے لئے یہ کون سا مشکل کام ہے" انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک الجھن بھی ہے انسپکٹر"۔ ایس پی بولا۔

"وہ کیا جناب؟"

"جیسا کہ کسٹم آفیسر نے تصدیق کی ہے کہ یہ وہی ہے جسکے ساتھ کرنسی اور اسلحہ ہے۔ اس کے پاسپورٹ کے بارے میں بھی کسٹم آفیسر نے کچھ باتیں بتائی تھیں۔ اس لحاظ سے ممکن ہے اس کا تعلق کسی دوسرے ملک سے ہو اور غیر ملکیوں کے ساتھ زیادہ سختی کرنا میرا خیال ہے خطرناک بھی ہو سکتا ہے"۔

"وہ تو ٹھیک ہے جناب۔ لیکن ہمیں تو اس کے سامان سے کچھ بھی نہیں ملا۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ مقامی ہے یا غیر ملکی اگر اس کی زبان کھل جاتی ہے تو پھر تو کوئی خدشہ نہیں رہتا۔ ہم چیزیں برآمد کرلیں گے اور اس کے بعد، بعد کے حالات سے نمٹا جاسکتا ہے"۔ انسپکٹر نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے انسپکٹر"۔ ایس پی ایک گہری سانس لیکر بولا۔ "لیکن خیال رکھنا۔ اس کے جسم پر تشدد کے آثار نمایاں نہ ہوں"۔

"بہت بہتر جناب میں پورا پورا خیال رکھوں گا"۔ انسپکٹر نے جواب دیا اور ایس پی اُٹھ گیا۔ ایس پی کے جانے کے بعد انسپکٹر چند ساعت سوچتا رہا پھر اس نے گہری سانس لے کر پاؤں پھیلا دیے۔

شام کو تقریباً ۸ بجے انسپکٹر ضروری کاموں سے فراغت حاصل کر کے آیا۔ اس کے ساتھ اس کے دو ماتحت سب انسپکٹر بھی تھے۔ تب انسپکٹر نے اس شخص کو اپنے آفس میں بلوایا اور وہ اطمینان سے چلا آیا۔

"وکیا یہ سو رہا تھا؟" انسپکٹر نے اپنے ایک ماتحت سے سوال کیا۔

"جی ہاں جناب۔ اطمینان سے زمین پر پڑا سو رہا تھا" ایک سب انسپکٹر نے جواب دیا۔

"وکیوں کیا تمہارا نشہ اُتر گیا؟" انسپکٹر نے اس شخص سے پوچھا اور وہ معصومیت سے انسپکٹر کی شکل دیکھنے لگا۔

"میں نہیں سمجھا جناب"۔ اس نے بڑے بھولپن سے کہا۔

"اوہ، گویا تمہیں سمجھانا بھی پڑے گا"۔ انسپکٹر طنزیہ انداز میں بولا۔

"میں نہیں جانتا جناب کہ میں کہاں ہوں اور یہ کون سی جگہ ہے"۔ اس نے جواب دیا۔

"نشہ اترنے کے بعد تو لوگوں کو بہت کچھ یاد آجاتا ہے میرے دوست۔ اور اگر تمہارا نشہ اتر گیا ہے تو میں تمہیں بہت کچھ یاد دلانا چاہتا ہوں"۔ انسپکٹر بولا۔ اور وہ شخص متعجبانہ نگاہوں سے انسپکٹر کی صورت دیکھنے لگا۔ "دیکھو میرے دوست یہ جگہ بہت بُری ہے۔ یہاں بڑے بڑے تیس مار خاں آتے ہیں اور اپنی زبان کھول دیتے ہیں۔ تم نے مصر کی اس ممّی کے بارے میں ضرور سُنا ہو گا جسے ماہر آثار قدیمہ کھود کر لائے تھے اور اس کی عمر کے بارے میں صحیح اندازہ کرنا چاہتے تھے۔ پھر جب وہ ممّی کی زبان کھلوانے میں ناکام رہے تو اسے پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ اور پولیس آفیسر نے بالآخر اس کی صحیح عمر بتادی۔ یہ عمر انہیں ممّی نے ہی بتائی تھی۔ تو میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم بھی اپنی زبان کھول دو، ورنہ ہم لوگ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ تم کس حیثیت کے مالک ہو۔ ہم ساری حیثیتیں بھول کر صرف اپنا مقصد پورا کرلیا کرتے ہیں اور یہ خرابی ہے ہمارے اندر۔"

"لیکن تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" نوجوان نے اسی معصومیت سے سوال کیا۔

"ہاں۔ اب آئے نا راہِ راست پر۔ نام کیا ہے تمہارا؟" پولیس آفیسر نے سوال کیا۔

"میرے پاسپورٹ پر میرا نام ایڈورڈ تھمب لکھا ہوا ہے لیکن میں، یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ تم مجھے صفر کے نام سے پکار سکتے ہو"۔

"واہ۔ صفر۔ انسپکٹر ہنس پڑا"۔

"ہاں۔ میرا یہی نام ہے"۔

"لیکن میرے دوست ہم تمہارا یہ نام تسلیم نہیں کرتے چلو ہم تمہیں ایڈورڈ تھمب ہی کے نام سے پکاریں گے۔ اور اگر تم چاہو تو صفر بھی کہہ سکتے ہیں لیکن مسٹر صفر یہ بتاؤ کہ تم کہاں سے آتے ہو اور جو دولت اور اسلحہ تم لے کر آئے تھے وہ تم نے کہاں چھپا دیا۔؟"

"تب میرے دوست تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو"۔ نوجوان نے پولیس افسر سے کہا۔

"کیوں؟" پولیس افسر نے پوچھا۔

"اس لئے کہ میں تو ایک قلاش آدمی ہوں۔ جو تھوڑی بہت رقم تھی وہ ہوٹل والوں کو دے دی اور اب میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے"

"واہ۔ یہ تو تم نے کوئی نئی بات نہیں بتائی"۔ میرا خیال ہے کہ تم اس طرح سے زبان کھولنا مناسب نہیں سمجھتے۔ ہوتے ہیں کچھ لوگ جن کے شایانِ شان ایسی باتیں نہیں ہوتیں۔ بہر صورت ہم ابھی اس کا بندوبست کرتے ہیں"۔ رحیم خان انسپکٹر نے ایک سب انسپکٹر کو آواز دی۔

"جناب"۔ رحیم خان آگے بڑھ آیا۔
"بھئی دیکھو ذرا ان مسٹر صفر سے اس دولت اور اسلحے کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔ جو انہوں نے کہیں پوشیدہ کر دیا ہے"۔
"بہت بہتر جناب"۔ رحیم خان آگے بڑھ کر بولا اور پھر وہ اس شخص کے سامنے پہنچ گیا۔
وہ بدستور اسی معصومیت سے ان سب کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔ تب رحیم خاں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔
"ہاں بھئی۔ بول دے اب بہت ہو گئی۔ رحیم خان کا ایک ہی جھانپڑ آدمی کا مزاج درست کر دیتا ہے۔ اب تو جلدی سے بول دے استاد۔ ورنہ رحیم خان نے ہاتھ اٹھایا۔ اور نوجوان نے معصومانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا لیکن دوسرے لمحے یوں محسوس ہوا جیسے رحیم خان کا وہ ہاتھ اپنی جگہ جم کر رہ گیا ہو۔ جیسے وہ نوجوان کے چہرے پر رسید کرنا چاہتا تھا۔
نوجوان کی پُراسرار آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہو گئی تھی۔ اور رحیم خان کا جسم مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ رحیم خان کو اسی طرح ساکت چھوڑ کر نوجوان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ انسپکٹر اور دوسرے سب انسپکٹر اسی طرف دیکھ رہے تھے لیکن انہیں شاید صورتحال کا صحیح علم نہیں تھا۔ تب نوجوان نے ان دونوں کی آنکھوں میں دیکھا اور دفعتاً انہیں بھی اپنے ذہن کھنچتے ہوئے محسوس ہوئے۔ پھر نوجوان آہستہ سے بولا۔
"دیکھو دوستو! میں تمہارا مہمان ہوں اور یہاں بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ باقی ساری باتیں اپنی جگہ لیکن پولیس والوں کا وہ مخصوص انداز مجھے پسند نہیں جس سے وہ مجرموں کی زبان کھلواتے ہیں۔ تو ایسا کرو کہ اب مجھے لے جا کر دوبارہ لاک اپ میں بند کر دو، اور اس کے بعد جو کارروائی تم کرنا چاہو کرتے رہنا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے جیل پہنچا دو اور یہ کام آج یا زیادہ سے زیادہ کل تک ہو جانا چاہئے۔"
پولیس انسپکٹر اور دوسرے سب انسپکٹر بھی پتھر کے بُت کی مانند ساکت کھڑے ہوئے تھے۔
"مجھے یقین ہے کہ تم میری ہدایت پر عمل کرو گے"۔ جواب دو۔ کیا تم میری ہدایت پر عمل کرو گے؟
"ہاں"۔ "ہم تمہاری ہدایت پر عمل کریں گے"۔ ان دونوں کے منہ سے مشینی انداز میں نکلا۔ اور نوجوان نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی
"ٹھیک ہے۔ اب تم ٹھیک ٹھاک ہو جاؤ"۔ اس نے دونوں ہاتھ ہلائے اور سب انسپکٹر اور انسپکٹر اس طرح چونک پڑے جیسے بیٹھے بیٹھے سو گئے ہوں اور اب انہیں ہوش آ گیا ہو لیکن اب ان کے انداز میں تبدیلی نظر آ رہی تھی۔

وہ ایک دوسرے کو کھوئی کھوئی سی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ تب نوجوان نے اس تیسرے سب انسپکٹر کو بھی آواز دی جو اب بھی اسی جگہ اسی طرح ہاتھ اٹھائے کھڑا ہوا تھا۔
"تم بھی آ جاؤ سب انسپکٹر۔ اور ان لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرو"۔
دوسرے لمحے سب انسپکٹر مڑ کر ان کے قریب آ گیا تب انسپکٹر نے مُردار سے لہجے میں کہا۔
"انہیں لاک اپ میں لے جاؤ۔ اور دونوں سب انسپکٹر نوجوان کو لے کر لاک اپ کی جانب بڑھ گئے۔
جیل کی چہار دیواری میں قیدیوں کی گنتی ہو رہی تھی۔ تمام قیدی آ کر ایک لائن میں کھڑے ہوتے جا رہے تھے اور سامنے ہی میز کے پیچھے پڑی ہوئی کرسی پر جیلر بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک اور شخص رجسٹر کھولے بیٹھا تھا اور قیدیوں کے

نام پکار رہا تھا۔

قیدی آپس میں آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے لیکن پھر ایک قوی ہیکل شخص چند پولیس والوں کے ساتھ وہاں پہنچا اور قیدیوں کی گفتگو ایک دم رک گئی۔

جیلر اور اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے دوسرے شخص نے چونک کر اسے دیکھا۔ غالباً یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ قیدی ایکدم خاموش کیوں ہو گئے۔ تب ان کی نگاہ اس قوی ہیکل شخص پر پڑی جس کے چہرے پر داڑھی اگ آئی تھی اور جو صورت سے بےحد خطرناک معلوم ہو رہا تھا۔ پھر جیلر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"پہلے اس کا نام پکار لو۔" اور دوسرے شخص نے گردن ہلا دی۔

"فضل خان۔" رجسٹر پر جھکے ہوئے شخص نے پکارا اور قوی ہیکل شخص کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے دوسرے قیدیوں کی طرح جواب نہیں دیا تھا جیلر اور اس کے ساتھی نے چونک کر قوی ہیکل شخص کی جانب دیکھا اور پھر رجسٹر پر جھکے ہوئے شخص نے اس نام کے آگے ٹک لگا دیا جو اس نے ابھی ابھی پکارا تھا۔

"میں جاؤں صاحب۔" فضل خان نے بھاری آواز میں پوچھا اور جیلر نے دوبارہ چونک کر دیکھا۔

"ہاں جاؤ فضل خان آرام کرو۔" وہ بولا اور فضل خان جو ابھی آیا تھا ہنستا ہوا واپس مڑ گیا لیکن چند ہی قدم چلا ہوگا کہ اس نے اس نوجوان شخص کو ایک سپاہی کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا جو بڑی معصومانہ شکل بنائے آہستہ آہستہ چلا آرہا تھا۔ فضل خان رک کر اسے دیکھتا رہا، مسکراتا رہا اور پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر اس نوجوان کے سامنے پہنچ گیا۔

"اے بیٹھے کون ہے تو، کیا کر کے آیا ہے۔" اس نے اپنی گرجدار آواز میں نوجوان سے پوچھا اور نوجوان چونک کر فضل خان کی شکل دیکھنے لگا۔

"کچھ نہیں کیا میرے دوست، بے گناہ ہوں۔" اس نے جواب دیا اور ایک ٹھنڈی سانس لی۔

فضل خان بھدی آواز میں ہنس پڑا تھا۔

"اے تو زنخوں کی طرح کیوں بول رہا ہے، مردوں کی طرح بول، مردوں کی طرح۔ اور بیٹے یہ تو سب ہی کہتے ہیں کہ انہوں نے کچھ نہیں کیا لیکن فضل خان دماغ کے گودے سے اصلی بات ٹٹول کر نکال لیتا ہے۔" پھر فضل خان سنتری کی جانب دیکھ کر بولا۔

"سنتری جی اس لونڈے کو میرے پاس لے آنا، سمجھے۔" فضل خان نے اس طرح کہا کہ جیسے جیل پر اس کی حکومت ہو اور پھر وہ نوجوان کی طرف دیکھے بغیر آہستہ آہستہ آگے بڑھ گیا۔ نوجوان کو بھی دوسرے قیدیوں کی لائن میں کھڑا کر دیا گیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کا نام پکارا گیا۔ صفر۔ اور نوجوان نے آہستہ سے جواب بھی دے دیا، وہ بےحد شریف نظر آرہا تھا۔

جیلر نے ایک بار پھر نظریں اٹھائی تھیں اور پھر اس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی سے پوچھا۔

"یہ شخص مقامی تو معلوم نہیں دیتا۔"

"جی ہاں جناب۔ حالانکہ اردو بولتا ہے لیکن ٹوٹی پھوٹی سی۔ میں نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"آیا کس جرم میں ہے؟"

"پولیس کی طرف سے رپورٹ آئی ہے کہ اسے جیل میں رکھا جائے۔ ابھی تک جرم نامعلوم ہے، شاید جیل ریمانڈ پر ہے۔" جیلر کے ساتھی نے جواب دیا۔

"کوئی ہدایت تو نہیں ہے اس کے بارے میں؟ تم نے اسے بھی عام قیدیوں کے ساتھ رکھا ہوا ہے، یہ کیا بات ہے؟"

"صرف یہی بات ہے جناب کہ اس کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں ملی تھی، بس یونہی بھیج دیا گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اسے عام قیدیوں ہی میں شامل کر دیا۔"

"کون سے تھانے سے آیا ہے۔" جیلر نے سوال کیا اور اس کے ساتھی نے شاید تھانے کا نام بتا دیا۔ تب جیلر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا پڑیں گی، کہیں کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے۔"

"لیکن جناب ابھی آپ نے فضل خان کی بات سنی۔" جیلر کے ساتھی نے پوچھا۔

"کیا ہوا فضل خان کو، کیا کہا تھا اس نے؟"

"وہ رک کر اسے دیکھا تھا اور کہا تھا کہ سنتری جی اسے میرے پاس پہنچا دینا۔"

"اوہو، یہ تو برا ہوا، کم بخت فضل خان ایسے ہی مصیبت بنا رہتا ہے۔" بہرحال ہم جیل میں کوئی ہنگامہ نہیں چاہتے اس لئے اسے وقتی طور پر فضل خان کے پاس ہی پہنچا دینا لیکن سپاہیوں کو ہدایت بھی کر دینا کہ فضل خان اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے، اگر وہ زبردستی پر آمادہ ہو تو پھر جو قدم مناسب سمجھا جائے اٹھایا جائے میں ابھی اس کے سلسلے میں پولیس اسٹیشن فون کرتا ہوں۔" جیلر نے کہا اور اس کے ساتھی نے گردن ہلا دی۔

چند ساعت کے بعد تمام قیدی اپنی اپنی کوٹھڑیوں کی جانب جانے لگے تو دو سنتری اس نوجوان کے پاس پہنچ گئے۔

"اس طرف آؤ"، انہوں نے کہا اور نوجوان انتہائی سعادتمندی سے ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس سے قبل وہ جس کوٹھری میں تھا وہاں اس کے ساتھ تین اور قیدی بھی تھے لیکن اب اسے جس کوٹھری میں پہنچایا گیا وہاں وہی قوی ہیکل شخص جس کا نام فضل خان پکارا گیا تھا موجود تھا، یہ کوٹھری کافی کشادہ تھی۔ گو عام کوٹھریوں ہی میں سے تھی یعنی اسے کسی اعلیٰ کلاس میں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن دوسری تمام کوٹھریوں سے کشادہ تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے اندر بستر اور دوسرا ضروری سامان بھی موجود تھا۔

فضل خان اس بستر پہ پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوا تھا۔ کوٹھری کے جنگلے میں تالا پڑا ہوا تھا لیکن سامنے کھڑا ہوا سنتری اس طرح مودب کھڑا تھا جیسے فضل خان کا ذاتی ملازم ہو۔

دونوں سنتری جب نوجوان کو لئے ہوئے اس دروازے پر پہنچے تو وہ سنتری چونک کر سیدھا ہو گیا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے باقی دونوں سنتریوں سے پوچھا۔

"اسے فضل خان کی کوٹھری میں پہنچا دو۔"

"کیا جیلر صاحب نے کہا ہے؟"

"ظاہر ہے ہم اسے اپنی مرضی سے لے کر نہیں آئے۔" آنے والے سنتریوں نے جواب دیا۔

فضل خان چونک کر اس طرف دیکھنے لگا تھا، اس سنتری نے سلاخوں دار دروازے کا تالا کھول دیا اور فضل خان اس نوجوان کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"آجا بیٹے آجا، آجا۔ ڈرتا کیوں ہے فضل خان نے تجھے بلایا ہے۔ تو اب بالکل محفوظ ہے"، "چلو بے دروازہ بند کر کے بھاگ جاؤ" فضل خان نے سنتریوں سے کہا اور اس سنتری نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا جس نے کھولا تھا تینوں سنتری واپس لوٹ گئے نوجوان جھجکتا ہوا فضل خان کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"ابے بیٹھ جا کیا لونڈیوں کی طرح شرما رہا ہے"۔ فضل خان ہنستا ہوا بولا اور اس نے نوجوان کا ہاتھ پکڑ کر چارپائی پر کھینچ لیا۔

نوجوان اطمینان سے بیٹھ گیا تھا۔

"ہاں بیٹا اب بول دے کیا کر کے آیا تھا اور دیکھ۔ نا تو میں جیلر ہوں اور نا پولیس والا، مگر فضل خان کے سامنے جھوٹ بولنے والا دوبارہ کوئی اور جملہ نہیں بول سکتا۔ اس بات کا خیال رکھیو"، فضل خان نے کہا اور نوجوان نے ایک ایک سرسری نگاہ فضل خان پر ڈالی، پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"فضل خان میں سچ کہہ رہا ہوں میں بالکل بے قصور ہوں، میں تو اس ملک کا باشندہ بھی نہیں ہوں۔ نسلاً میں ایرانی ہوں، زندگی لندن، فرانس اور جرمنی میں گزاری۔ اس کے بعد اس ملک میں آیا، مقصد سیر و تفریح ہی تھا، یہاں ان لوگوں نے مجھے میرے ہوٹل سے گرفتار کر لیا اور اب مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ میرا اسلحہ اور کرنسی کہاں ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی چیز میرے پاس نہیں تھی" نوجوان نے معصوم لہجے میں کہا۔

"ابے واہ اتنے سارے ملک گھوم لئے ہیں تو نے اتنی سی عمر میں۔ مگر یار تو جس طرح ہماری زبان بول رہا ہے اور تیرا چہرہ جیسا ہے اس سے تو یوں ہی لگتا ہے کہ تو اسی ملک کا باشندہ ہے مگر ٹھیک ہے تو ایرانی بھی ہو سکتا ہے، پر تو نے یہ زبان کہاں سے سیکھی"، فضل خان نے پوچھا۔

"میں بہت سی زبانیں جانتا ہوں، نوجوان نے جواب دیا۔"

"پڑھا لکھا معلوم ہوتا ہے، تیرے چہرے ہی سے پتہ چل رہا ہے۔ مگر یہ لوگ تجھ سے کرنسی اور اسلحہ کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں۔؟"

"میں نہیں جانتا، ان لوگوں نے الزام لگایا ہے میرے اوپر کہ میں نے ائیرپورٹ کسٹم ہاؤس میں دھماکہ کیا تھا اور وہاں سے ان لوگوں کو ڈاج دے کر کرنسی اور اسلحہ لے کر نکل بھاگا۔"

"ابے واہ، الزام تو فرسٹ کلاس ہے، کیا سچ مچ تو نے ایسا ہی کیا تھا" فضل خان نے پوچھا۔

"نہیں جناب آپ یقین کریں میں تو ایک سیدھا سادا آدمی ہوں۔ بس زندگی میں کوئی خاص مقصد نہیں ہے اس لئے آوارہ گردی کرتا رہتا ہوں۔ نہ ماں ہے نہ باپ نہ اور کوئی رشتہ دار میں تو اس دنیا سے اتنا الگ ہوں کہ میرا کوئی نام بھی نہیں ہے"۔ نوجوان نے جواب دیا۔

"کیا بکواس کر رہا ہے۔ کوئی نام بھی نہیں ہے تیرا" فضل خان بولا۔

"نہیں میں سچ کہہ رہا ہوں، میرا نام کسی نے رکھا ہی نہیں۔ بچپن ہی سے میں اپنے آپ کو صفر کہتا چلا آیا ہوں اور اگر کوئی شخص مجھے کوئی نام دے دیتا ہے تو مجھے اعتراض بھی نہیں ہوتا"

"مسخرا معلوم ہوتا ہے۔ سالے پر فضل خان سے یہ مسخری نہیں چلے گی، سیدھا ہو جا تجھے نہیں معلوم کہ فضل خان کیا چیز ہے" فضل خان نے ہنستے ہوئے کہا اور نوجوان بھی مسکرانے لگا۔

"میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا فضل خان"

"یعنی تیرا کوئی نام نہیں ہے"۔

"ہاں"

"پیدا بھی ہوا تھا یا نہیں"

"یہ بھی نہیں معلوم فضل خان"

"ادئے مسخرے۔ ماں باپ نے کچھ تو نام رکھا ہوگا۔ باپ

کا نام کیا تھا؟"

"ماں باپ نے مجھے پیدا کیا ہو گا فضل خان لیکن پھر فوراً ہی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انہوں نے مجھ سے جان چھڑا لی"

"کیا مطلب ہے؟"

"ماں تو اس صدمے سے اسی وقت مر گئی کہ میں کیوں پیدا ہو گیا۔ باپ نے سوچا کہ اب یہ مصیبت اس کی گردن پڑے گی، اس لئے وہ بھی مجھے چھوڑ کر فرار ہو گیا بس پھر میری پرورش خیراتی اداروں میں ہوئی اور میں نہ جانے کیا سے کیا بن گیا۔"

"میری بات سُن ۔ ماں باپ کے بارے میں اس طرح باتیں نہیں کرتے۔ بڑی عظیم ہستی ہوتے ہیں"۔

"اب جو کچھ بھی ہو فضل خان"۔ نوجوان نے گہری سانس لی۔

"دیکھ سالے نہ جانے کیوں تو مجھے اچھا لگا ہے۔ ورنہ میں کسی کو منہ نہیں لگاتا۔ فضل خان کے بارے میں تو ابھی کچھ بھی نہیں جانتا۔ یہ جیل والے مجھے قید تو کر لیتے ہیں لیکن جب تک میں جیل میں رہتا ہوں سب کے سب سولی پہ لٹکے رہتے ہیں۔ جانتا ہے۔ میں جیل کو کیا سمجھتا ہوں"۔ فضل خان کے موٹے موٹے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا سمجھتے ہو؟"

"ننھیال۔ یعنی نانی کا گھر۔ جب کبھی باہر سے تھک جاتا ہوں تو جیل آ جاتا ہوں آرام کرنے کے لئے اس سے اچھی جگہ کوئی نہیں ہوتی۔ مگر یہ تو بتا تیرے رشتے دار وغیرہ تو ایران میں ہوں گے"۔ دفعتاً فضل خان نے کہا۔

"ہاں۔ اگر کوئی ہو گا تو وہیں ہو گا"۔

"پھر یہاں تیری خبر گیری کون کرے گا؟"

"کوئی نہیں"۔

"فکر مت کر میرے لعل"۔ فضل خان کے ہوتے ہوئے تجھے کسی بات کی فکر نہیں کرنا چاہئے۔ میں جب یہاں سے جاؤں گا تو تجھے بھی نکال دوں گا"۔

"مجھے بھی نکال دو گے؟"

"ہاں ہاں نکال دوں گا۔ قتل تو کیا نہیں ہے تو نے"۔

"مگر کس طرح فضل خان؟"

"بائیں ہاتھ کا کھیل ہے"۔ اور میں کل کہہ دوں تو میرے پیچھے جیل توڑ دیں گے۔ مگر جج صاحب نے پوچھا تھا کہ کتنے دن کی چھٹی چاہئے۔ وہ میری سزا کو چھٹی ہی کہتے ہیں۔ میں نے کہہ دیا جج صاحب ڈیڑھ مہینے کے لئے بھیج دو۔ تو بیٹا ایک مہینہ چار دن ہو چکے ہیں۔ باقی رہے گیارہ دن۔ تو ان گیارہ دنوں میں آٹھ دن تو میرے ساتھ رہے گا تین دن پہلے میں تجھے یہاں سے نکال دوں گا۔ اور اس کے بعد پھر باقی باتیں کریں گے کہ آئندہ کیا کرنا چاہئے"۔ فضل خان نے کہا۔ اور وہ فضل خان کی صورت دیکھنے لگا۔ "یہ شخص اتنا ہی باحیثیت ہے تو بڑے کام کا آدمی ثابت ہو سکتا ہے"۔ اس نے سوچا۔

"مگر ایک بات سن لے پیارے"۔ فضل خان پھر بولا اور وہ فضل خان کی جانب متوجہ ہو گیا۔ "تجھے اپنا کوئی نام ضرور رکھنا ہو گا یہ صفر وفر فضل خان کے سامنے نہیں چل سکتا"۔

"جو تمہارا دل چاہے فضل خان مجھے ناموں پہ کبھی اعتراض نہیں ہوا ہے"۔ نوجوان نے جواب دیا۔

"تو پھر میں تجھے شبیر خان کہوں گا"۔ فضل خان ہنس کر بولا اور اس نے گردن ہلا دی۔

"میں نے کہا نا جو تم کہو گے مجھے پسند ہے۔ ناموں پر مجھے کوئی اعتراض نہیں"۔

"تو ٹھیک ہے آج سے تو شبیر خان کے نام سے فٹ"۔ فضل خان اس کے شانوں پہ ہاتھ مارتا ہوا بولا اور اس نے گردن ہلا دی۔ اسی وقت ایک سپاہی سلاخوں کے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ کہیں اور سے آیا تھا۔ فضل خان سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا

"کیا بات ہے بے"۔ اس نے پوچھا۔

"یہ شخص کیا تمہارے پاس رہے گا فضل خان"۔ سپاہی نے پوچھا

"کیوں کیا تو اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے"۔ فضل خان آنکھیں نکال کر بولا اور سپاہی سر کھجاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"جیل صاحب نے یہ پچھوایا تھا فضل خان میں خود تو پوچھنے نہیں آیا"۔

"تو جا کہہ دے اس ماں کے خصم سے کہ وہ میرے پاس ہی رہے گا"۔ فضل خان نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور سپاہی جلدی سے واپس چلا گیا۔ نوجوان دلچسپ نگاہوں سے اس عجیب و غریب شخص کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے گردن ہلا کر ایک گہری سانس لی۔

کافی دیر تک فضل خان خاموش رہا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر جب اس نے نوجوان کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"شبیر خان"۔ اس نے نوجوان کو آواز دی۔ اور نوجوان سوالیہ نگاہوں سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔ "یار نہ جانے کیوں تجھے یہ نام دینے کے بعد مجھے خود شرم آ رہی ہے"۔ فضل خان بولا۔

"کیوں فضل خان؟"

"ابے شیر دیکھا ہے کبھی"۔ فضل خان بولا

"ہاں دیکھا ہے"۔

"تو تو خود سوچ۔ تیرے نخرے تو سالے لونڈیوں جیسے ہیں۔

تیری شکل بھی لونڈیوں سے ملتی جلتی ہے۔ اس لحاظ سے تیرا نام شیر خان کچھ اچھا نہیں لگتا۔ مگر سالے اب میں کیا کروں۔ اب تو میں نے تجھے شیر خان کہہ ہی دیا۔ فضل خان نے پھر اس کے شانوں پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور نوجوان معصومیت سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"شیر بننے کے لئے کیا کرنا ہوتا ہے فضل خان"۔ نوجوان کے انداز میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔

"بتاؤں"۔ فضل خان ہنس کر بولا۔

"ہاں ہاں ضرور بتاؤ"۔

"یہ سلاخیں دیکھ رہا ہے نا سامنے موڑنے کی قوت ہے انہیں۔ اس سلاخ کے دونوں سرے ایک دوسرے سے ملا سکتا ہے؟"

"کوشش کروں فضل خان"۔ نوجوان نے پوچھا اور فضل خان ہنس پڑا۔ پھر ہنستے ہوئے بولا۔

"جا سالے یہ لونڈیوں جیسے ہاتھ۔ ان ہاتھوں سے تو سلاخیں موڑے گا۔ ان ہاتھوں سے تو تو شیشے کی چوڑیاں تک نہیں توڑ سکتا"۔ فضل خان ہنستا ہوا بولا۔

"تم کہو تو کوشش کروں فضل خان" نوجوان نے کہا اور فضل خان نے پھر ایک گھن گرجدار قہقہہ لگایا۔

"جا جا کر۔ تیرے یہ نخرے بھی دیکھ لوں۔ ذرا اُٹھ"۔ فضل خان نے اس کی کمر پہ ہاتھ مارا اور نوجوان اُٹھ کھڑا ہوا۔ چند ساعت کے بعد وہ سلاخوں والے دروازے کے قریب تھا۔

دروازے کی سلاخیں تقریباً ایک انچ موٹے لوہے کی تھیں اور ان کا فاصلہ ایک دوسرے سے چھ چھ انچ تھا۔ نوجوان نے فضل خان کی طرف دیکھا۔ فضل خان بھی دلچسپ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے دروازے کی دو سلاخیں پکڑیں اور انہیں اس طرح ایک دوسرے سے ملا دیا جیسے وہ موم کی سلاخیں ہوں۔ فضل خان نے سلاخوں کی جانب دیکھا پھر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملیں پھر دیکھا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ اسکے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ وہ دروازے کے قریب پہنچ گیا اور سلاخوں کی مضبوطی کا اندازہ کرنے لگا۔ پھر اس نے نوجوان کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سخت تحیر کے آثار تھے۔ کئی منٹ تک وہ کچھ نہیں بول سکا تھا۔ نوجوان خاموشی سے ایک طرف کھڑا رہا پھر فضل خان نے گردن ہلائی اور بولا۔

"کیا چکر تھا یہ؟"

"میں نہیں سمجھا فضل خان"۔

"سمجھ جا، ورنہ گھونسہ مار کر جبڑا توڑ دوں گا۔ مجھے بتا یہ کیسے مڑ گئیں"۔ فضل خان نے پوچھا۔

"تم نے کہا تھا فضل خان میں نے انہیں موڑ دیا"۔ تمہیں تو کہہ رہے تھے کہ شیر بننے کی کوشش کروں تاکہ مجھے اس نام سے شرمندگی نہ ہو۔"

"مگر میں نہیں مانتا۔ یہ نازک ہاتھ اتنی موٹی سلاخیں کیسے موڑ سکتے ہیں۔ ادھر لا ہاتھ"۔ فضل خان نے کہا اور نوجوان نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ تب اس نے اپنا چوڑا پنجہ پھیلا دیا تھا"۔ اسے موڑو۔ اور نوجوان جھجکتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے آہستہ لہجے میں کہا۔

"لیکن فضل خان میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ تمہارے ہاتھ میں ہاتھ نہیں ڈالوں گا"۔

"نہیں ڈالے گا سالے تو یہ سنبھال"۔ فضل خان نے اس کے جبڑے کی طرف ہاتھ گھما دیا۔ لیکن نوجوان اُچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا اس کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ فضل خان پھر رک کر اسے گھورنے لگا تھا۔

"میں کہتا ہوں دیکھ میری بات مان لے۔ ورنہ خواہ مخواہ مجھے غصہ آجائے گا۔ اور پھر میں تمہیں شیر خان سے گیدڑ خان بنانے میں کوئی دقت محسوس نہیں کروں گا"۔

"فضل خان دیکھو میں نے تم سے کہا ہے کہ میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ اور آدمی جس کی عزت کرتا ہے اس سے مقابلہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔"

"سب ٹھیک ہے مگر میں جاننا چاہتا ہوں کہ تو نے کس طرح سلاخیں کیسے موڑ دیں۔ ان ہاتھوں میں اتنی جان کہاں سے آگئی، چل ہاتھ میں ہاتھ ڈال۔ فضل خان نے پھر پنجہ آگے پھیلا دیا۔ اور مجبوراً نوجوان نے بھی ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ حالانکہ فضل خان کے ہاتھ کے سامنے نوجوان کا ہاتھ واقعی زنانہ محسوس ہو رہا تھا۔ سفید رنگ کا بالوں سے بھرا ہوا خوبصورت ہاتھ۔ فضل خان کے موٹے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ نوجوان نے چند ساعت اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر آہستہ سے بولا

"اب میں کیا کروں فضل خان"؟

"موڑ اسے موڑ۔ جس طرح تو نے لوہے کی سلاخوں کو موڑ دیا تھا۔ میں جاننا چاہتا ہوں وہ کون سی ترکیب تھی جسکے ذریعے تو نے لوہے کی ان سلاخوں کو موڑا تھا، سالے مجھے تیری وہ ترکیب پسند آئی ہے۔ اگر کوئی ٹرک ہے تو مجھے بھی بتا"؟ فضل خان نے کہا۔

"کوئی ٹرک نہیں ہے فضل خان۔ یہ دیکھو"۔ نوجوان نے

کہا اور دوسرے لمحے اس نے اپنے ہاتھ کی قوت فضل خاں پر صرف کی اور فضل خاں کا ہاتھ موڑ کر اس کی پشت سے لگا دیا۔ فضل خان سیدھا ہو گیا تھا۔

چند ساعت وہ نوجوان کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھتا رہا اور پھر اس نے دوبارہ ہاتھ پھیلا دیا۔

"ایک بار اور موڑ دے میری جان۔ میں اپنی زندگی میں پہلی بار شکست کھا رہا ہوں۔"

"مگر فضل خان میں تمہیں شکست دینا نہیں چاہتا۔"

"ابے یہ شکست نہیں۔ اگر تو میرا دشمن ہوتا تو فضل خان کے لئے ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ مگر تو تو یار ہے میرا۔ موڑ دے ایک بار اور موڑ دے، ذرا دیکھوں تو سہی تیری پتلی پتلی انگلیوں میں اتنی جان کہاں سے آ گئی۔ فضل خان نے کہا اور نوجوان نے دوبارہ اس کے ہاتھ کو موڑ کر فضل خان کی پشت سے لگا دیا

"واہ خدا کی قسم۔ یار میں نے تیرا انتخاب غلط نہیں کیا تھا۔ مگر مجھے یہ تو بتا دے میری جان کہ اس دبلے پتلے جسم میں یہ قوت کہاں سے آ گئی۔"

"بس فضل خان جو کچھ بھی ہوں تمہارے سامنے ہوں۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"بہت کچھ ہے یار۔ میں تو تجھے مان گیا اور فضل خان نے ساری زندگی میں کسی کو نہیں مانا ہے، لیکن تجھے مان لیا ہے مجھے خوشی ہے کہ میں نے تیرا نام شیر خان رکھا ہے۔ مگر اپنی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا، تو تو جو کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ ذرا یہ تو بتا کہ تیرے ہاتھوں ہی میں یہ قوت ہے یا پورے بدن میں ہے۔"

"اب اگر میں تمہیں اس سلسلے میں کوئی بات کہوں گا فضل خان تو تم تو مجھ سے کشتی لڑنے کی کوشش کرو گے۔" نوجوان نے ہنس کر کہا۔

"نہیں کروں گا یار، مان تو تجھے پہلے ہی گیا ہوں، پر ابھی تک بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔ اتنے ننھے منے بدن میں اتنی جان ہو سکتی ہے تو پھر تو میں تجھے مشینی آدمی ہی سمجھوں گا۔"

"مشینی آدمی نہیں ہوں فضل خان۔ بس جو کچھ بھی ہوں تمہارے سامنے ہوں۔"

فضل خان دیر تک پریشان سا بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر اس نے پھیکے سے لہجے میں کہا۔

"تو یقین کر میرے یار۔ میں نے تجھے اس لئے اپنا دوست نہیں بنایا تھا کہ تو اتنا طاقتور آدمی ہے۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا، بس تو مجھے اچھا لگا تھا۔ مگر اب، اب صورتحال بدل چکی ہے۔"

"فضل خان تم خواہ مخواہ یہ بات محسوس کر رہے ہو۔ اگر میں تھوڑی بہت قوت رکھتا ہوں تو بہرصورت تمہیں اس بات سے خوش ہونا چاہئے کہ میں تمہارا دوست ہوں۔"

"ہاں یار میری گردن تو فخر سے اونچی ہو گئی ہے۔ فضل خان کو اپنی ٹکر کا کوئی تو ملا۔ ورنہ آج سے پہلے تو صرف فضل خاں ہی فضل خاں تھا۔ بیٹھ جا آرام کر۔ مگر ٹھہر پہلے تیرے لئے میں ایک چارپائی منگوا دوں۔ فضل خان نے کہا اور اٹھ کر سلاخوں والے دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس نے بڑی حقارت سے سنتری کو پکارا اور سنتری اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"ایک چارپائی اور لے آ، بستر کے ساتھ۔ یہیں ڈال دے۔" فضل خان نے کہا اور سنتری گردن ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

جیل کی یہ حالت اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی جہاں ایک آدمی کی اتنی حکومت چلتی ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک چارپائی آ گئی۔ اس چارپائی کے ساتھ معمولی قسم کا ایک بستر بھی تھا تب فضل خان نے چائے کے لئے کہا اور چائے بھی پہنچ گئی۔

"تو دیکھا تو نے یہ عیش ہیں فضل خاں کے جیل میں، اب بتا کیا اسے چھٹیوں کا وقت نہ کہا جائے۔"

"بلاشبہ فضل خان۔ مگر اب ہم دوسری باتیں بھی تو پوچھ لیں ایک دوسرے سے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں؟"

"تم کیا کرتے ہو؟" نوجوان نے پوچھا۔

"اڈہ ہے اپنا، سب سے بڑا اڈہ ہے، پورے شہر میں کوئی فضل خان کی ٹکر کا نہیں ہے جتنے بدمعاش ہیں سب فضل خان کو بھتہ دیتے ہیں اور فضل خان ان کی حفاظت کرتا ہے چھوٹے چھوٹے کاموں کے علاوہ کبھی کبھی بڑے کام بھی مل جاتے ہیں۔ اور کبھی فضل خان کا دل چاہتا ہے تو بڑے کام بھی کر لیتا ہے اسمگلروں سے نفرت ہے، قتل وتل بھی نہیں کرتا، کیونکہ انسان کی زندگی لینا اچھی بات نہیں ہے۔ مگر کسی کو ٹھیک کرنا ہو تو نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ میں نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا مگر میرے گرگے بہت سے قتل کر چکے ہیں۔"

"واہ۔" گویا تم دولت کمانے کے خواہش مند ہو فضل خان۔"

"دولت اپنے پاس بہت ہے دوست، دولت کی کوئی کمی نہیں۔ جب باہر نکلے گا تو دیکھ لینا فضل خان کیا چیز ہے؟"

"فضل خان" میں بھی اس ملک میں تم جیسے کسی دوست کے مل جانے سے بہت خوش ہوں۔"

"یہاں سے کہیں جائے گا؟"

"ابھی نہیں۔ ابھی تو اس ملک میں آیا ہوں۔ بہت کچھ کرنا ہے یہاں۔"

"ایک بات کہوں شبیر خان۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو بڑا معصوم نظر آرہا تھا۔ اب تیرا رنگ بدل گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تو بھی کچھ ہے۔"

"دوست بن گئے ہو فضل خان تو کچھ بتانا ضروری سمجھتا ہوں"

"ہاں یار فضل خان کی یہی خواہش ہے۔" دیکھ فضل خان تجھے خلوص سے اپنے پاس لایا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ تو اندر سے ایسا نکلے گا۔ اس لئے میرے یار تو جو کچھ بھی ہے فضل خان کو اپنا یار ہی سمجھنا اور اس سے جو کچھ کہے ٹھیک ٹھیک کہنا۔"

"چلو ٹھیک ہے فضل خان ایسا ہی ہوگا۔ اِس تو میں اپنے بارے میں بتا رہا تھا۔ پہلے میں تمہاری نگاہ میں جو کچھ تھا وہ صرف فریب تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"اپنا دھندہ بھی یہی ہے۔"

"کیا؟"

"بس پہلا شوق سیاحت ہے۔ ملک ملک کی سیر کرتا ہوں۔ وہاں کی پولیس کو پریشان کرتا ہوں۔ مقصد کچھ نہیں ہوتا۔ بس میں اپنے آپ کو منوانا چاہتا ہوں۔ اور جب پولیس میرے ہاتھوں تنگ ہو جاتی ہے تو پھر اسے معاف کرکے کہیں اور چل دیتا ہوں۔ میں بس ایک ہنگامہ پسند آدمی ہوں۔"

"اوئے کمال ہے۔" تو اندر سے ایسا ہوگا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مگر جیل کیسے آگیا؟"

"اپنی مرضی سے۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"فضل خان کی طرح؟" فضل خان ہنس کر بولا۔

"یہی سمجھ لو۔"

"مجھے یقین ہے۔" اور اب تو جو کچھ کہے گا اس پر یقین کرلوں گا۔"

"دراصل میں جیل آکر یہاں کے لوگوں سے ملنا چاہتا تھا جو جرائم کرتے ہیں۔ میں ان لوگوں سے دوستی بھی چاہتا تھا اور ان کا طریقۂ کار بھی جاننا چاہتا تھا۔"

"پورے ہوتے ہیں سالے۔ کوئی بڑا کام نہیں کرتے۔ چوری کرلی۔ جیب کاٹ لی غصہ آگیا تو قتل کردیا اور جیل آگئے" فضل خان نے کہا۔

"مگر پہلے ہی مرحلے پر تم مجھے مل گئے فضل خان۔"

"ہاں یار۔ میں بھی خوش ہوں۔ مگر یہاں آکر تو نے ابھی کیا کیا ہے؟"

"صرف ہنگامہ۔"

"کیا مطلب؟"

"ائر پورٹ پر اترا تو میرے پاس کچھ سامان تھا جس میں مقامی کرنسی اور کچھ اسلحہ تھا۔ یہ چیزیں ہر نئی جگہ جا کر ضروری ہوتی ہیں کیونکہ کسی بھی ملک میں فوری طور پر کام نہیں شروع کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ پولیس کو چونکانا بھی ضروری ہوتا ہے۔"

"اوئے بدمعاش۔ پھر کیا ہوا؟"

"کسٹم ہاؤس میں جب کسٹم کے افسروں نے میرا سامان دیکھا تو چونک پڑے۔ مگر پھر انہوں نے ایک اور بکس کھولا تو ایک دھماکہ ہوا اور دھواں پھیل گیا۔ ایسا دھواں جو جسموں کو مفلوج کردیتا ہے اور میں نکل آیا۔ پھر میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور ہوٹل میں رقص کرتے ہوئے ایک لڑکی کو چھیڑا۔ مقصد یہ تھا کہ گرفتار ہو جاؤں مگر یار بات رفع دفع ہوگئی۔ مجبوراً ہوٹل کے ویٹر کو اپنے بارے میں بتانا پڑا۔ اور تھانے پہنچ گیا اور پھر یہاں سے جیل۔"

"اوئے۔ مگر کیا تیرا سامان پولیس کے ہاتھ لگ گیا؟"

"نہیں، وہ ایک لاکر میں محفوظ ہے۔"

"چالاک آدمی ہے۔" اب کیا ارادہ ہے؟ فضل خان نے پوچھا

"تمہارے ساتھ رہوں گا اور تفریحات کروں گا۔"

"مگر جیل آنے کے بعد تو نے نکلنے کی کیا ترکیب سوچی تھی؟"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں فضل خان کہ یہ ساری باتیں میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ جس طرح میں جیل آیا تھا اسی طرح یہاں سے نکل بھی سکتا ہوں۔"

"ابے واہ۔" اس کا مقصد ہے کہ فضل خان خواہ مخواہ تجھے پیشکشیں کررہا تھا۔ لیکن ذرا مجھے بھی تو بتا کیسے نکلے گا۔ یہ میں جانتا ہوں کہ تو اگر جیل توڑنا بھی چاہے تو جیل کے اندر رہ کر با آسانی توڑ سکتا ہے۔ میں جب بھی اس طرح بھاگنے کی کوشش کرتا ہوں تو میرے پٹھے میرے لئے کام کرتے ہیں۔ مگر یوں لگتا ہے کہ تیرے لئے یہ کام زیادہ مشکل نہیں ہے۔"

"ہاں فضل خان، ابھی چند روز تمہارے ساتھ رہوں گا پھر یہاں سے نکل جاؤں گا۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"مگر کس طرح؟"

"بس تم دیکھ لینا میرے پاس ہزاروں ترکیبیں ہیں۔ نوجوان نے جواب دیا۔ اور فضل خان ہنسنے لگا۔"

"یار مجھے نہیں معلوم تھا کہ جیل میں مجھے میرا اُستاد بھی مل جائیگا فضل خان تو آج تک اپنے آپ کو ہی استاد سمجھتا رہا۔" اس نے کہا اور نوجوان خاموشی سے گردن ہلانے لگا۔ اس نے فضل خان کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔

ان دونوں کے درمیان خوب گھٹ رہی تھی۔ پولیس والے

فضل خان سے ڈرتے تھے اور نوجوان کو بھی وہ تمام سہولتیں میسر ہو گئی تھیں جو فضل خان کو تھیں۔ صبح کو صرف گنتی کے لئے جانا پڑتا تھا اور وہ بھی اس شاہانہ انداز میں کہ جب فضل خان وہاں پہنچتا تو نوجوان کا نام بھی پکار لیا جاتا۔ نہ جانے کیوں فضل خان کی اسقدر ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔

پچھلے دن فضل خان نے اس سے کہا۔ "دیکھ بھئی تو اگر نکلنا چاہے تو اب کوشش کر سکتا ہے۔"

"کیوں فضل خان ابھی تو تمہیں رہا ہونے میں چار پانچ دن باقی ہیں۔"

"ہاں ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے مگر کیا تو میرے ساتھ ہی جائے گا؟" فضل خان نے پوچھا۔

"نہیں فضل خان، لیکن یہاں سے جانے سے پہلے ہم دونوں کا علیحدہ ہونا ضروری ہے۔"

"کیا مطلب ہے؟" فضل خان نے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ میں اس کوٹھری سے باہر نہیں جاؤں گا کیونکہ اس طرح پولیس میرے اور تمہارے گٹھ جوڑ کے بارے میں سوچنے لگے گی۔"

"بات تو تو نے صحیح کہی ہے۔" فضل خان گردن ہلاتا ہوا بولا مگر پھر کریں کیا؟

"بڑی آسان سی بات ہے فضل خان۔"

"کیا آسان سی بات ہے؟"

"تم میری پٹائی شروع کر دو۔" نوجوان نے سکون سے کہا اور فضل خان تعجب سے منہ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب ہم دونوں میں جھگڑا ہو جانا چاہئے۔ تم مجھے مارنا شروع کر دو۔ پولیس والے مجھے تمہاری اس کوٹھری سے نکال کر لے جائیں گے۔"

"واہ۔ کیا بات کہی ہے۔" فضل خان ہنستا ہوا بولا۔ "مگر یار میں تجھے ماروں گا کیسے۔ تو تو میرے ہاتھ پاؤں توڑ دے گا۔"

"نہیں فضل خان میری یہ مجال کہ میں ایسی کوئی بدتمیزی کر سکوں تمہارے ساتھ۔" نوجوان نے کہا اور فضل خان ممنونیت سے اسے دیکھنے لگا۔

"یار تو اچھا یار ہے دیکھ تو مجھے مار سکتا ہے میں جانتا ہوں کہ تو مجھ سے بہت اچھا مقابلہ کرے گا مگر یہ اچھا نہیں ہو گا فضل خان کے لئے۔ پھر لوگوں پر میری ہیبت ختم ہو جائے گی اور مجھے بڑی پریشانی اٹھانی پڑے گی۔"

"تو فضل خان تم سے کہتا کون ہے تم یہ ساری باتیں سن کر مجھے شرمندہ کر رہے ہو۔"

"مگر ایک اور الجھن ہے پیارے۔" فضل خان نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ تو فرار ہو گیا ہے؟"

"بس فضل خان میں دو تین دن میں یہاں سے چلا جاؤں گا اور پھر یہ اطلاع تمہیں مل ہی جائے گی۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے مگر جائیگا کہاں؟"

"کسی بھی جگہ۔ ویسے تم مجھے اپنے اڈے کے بارے میں بتا دو جب تم رہا ہو جاؤ گے تو میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"بکواس مت کر شیر خان۔ فضل خان کے ہوتے ہوئے تو کسی ایسی ویسی جگہ جا رہے گا۔ سن۔ یہاں سے نکلنے کے بعد سیدھا اکبر روڈ چلے جانا۔ اکبر روڈ پہنچ کر کسی سے فضل خان کا اڈہ پوچھ لینا اور میرے اڈے پر پہنچ کر میرے آدمیوں کو صرف اتنا بتا دینا کہ تو فضل خان کا دوست ہے اور فضل خان کے آنے تک وہاں رہنا چاہتا ہے۔ وہ سب تیرے غلام بن جائیں گے تیری دن رات خدمت کریں گے۔ تیری عزت کریں گے۔ تو حیران ہو گا کہ وہ لوگ جو تجھے نہیں جانتے تیرے دوست ثابت ہوں گے۔"

"اکبر روڈ نام بتایا تم نے؟" نوجوان نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"بس ٹھیک ہے فضل خان چلو شروع ہو جاؤ۔" نوجوان نے کہا۔ اور فضل خان کھڑا ہو گیا۔

"یار دیکھ جو بدتمیزی ہو جائے اسے معاف کر دینا۔" فضل خان نے کہا اور نوجوان نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔

دوسرے لمحے فضل خان شیر کی طرح چنگھاڑنے لگا۔ وہ گالیاں بک رہا تھا اور دوسرے لمحے اس نے نوجوان پر حملہ کر دیا۔ نوجوان کوٹھری کے ایک کونے میں جا پڑا تھا اور وہ چارپائی ٹوٹ گئی جس پر وہ جا کر گرا تھا۔

"مار ڈالوں گا۔ قتل کر ڈالوں گا۔" فضل خان وحشیانہ لہجے میں چیخا اور سنتری دوڑ کر دروازے کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا ہوا فضل خان رک جاؤ فضل خان۔" سنتری چیخا۔ "رک جاؤ۔" سنتری ایک بار اور چیخا تھا۔

"میں اسے مار ڈالوں گا۔ ورنہ اس کتیا کے پلے کو یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔ چلو کھولو دروازہ۔" فضل خان نے کہا اور سنتری جلدی جلدی دروازہ کھولنے لگا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اسنے نوجوان کا گریبان پکڑا اور اسے دروازے سے باہر دھکیل دیا۔ نوجوان فرش پر آ گرا تھا۔ اس نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اس انداز میں اپنے آپ کو پیش کر رہا تھا جیسے بیہوش ہو گیا ہو۔ فضل خان

سلاخوں کو پکڑے ہوئے اسے دیکھتا رہا۔ اور کئی سنتری وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے نوجوان کو اٹھایا اور فضل خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ اس وقت تک نوجوان کو دیکھتا رہا جب تک سنتری نوجوان کو اٹھا کر نہیں لے گئے۔

نوجوان راستے میں سپاہیوں کی گفتگو سنتا جا رہا تھا۔ وہ اسی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے "یہی تعجب کی بات ہے کہ اتنے دن کیسے گزر گئے۔"

"ہاں۔ ویسے اس بے چارے کی شامت ہی آگئی تھی۔"

"پتہ نہیں کتنا مارا ہے۔" زندہ بچ جائے تو خوش نصیب ہوگا۔"

"یہی شکر ہے کہ اس نے اسے نکال دیا۔ ورنہ خدا جانے کب تک پٹتا رہتا۔"

"اب کیا کیا جائے؟"

"ہسپتال لے چلو اور جیلر صاحب کو اطلاع دیدو۔" دوسرے سنتری نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے جیل کے ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ سپاہیوں نے جیل کے ڈاکٹر کو خود ان کے بارے میں بتایا اور ڈاکٹر اسے ابتدائی طبی امداد دینے لگا۔

لیکن اس دوران نوجوان نے بہت کچھ سوچ لیا تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے بستر پر لیٹا رہا۔ پھر جیلر وغیرہ آگئے۔

"ہوش آیا؟"

"ابھی تک نہیں۔"

"کوئی بڑی چوٹ ہے؟"

بظاہر تو نہیں۔

"یہ فضل خان بھی جیل آکر مصیبت بن جاتا ہے۔ اگر آئندہ اسے جیل ہوئی تو میں اسے اس جیل میں قبول نہیں کروں گا۔" جیلر کی آواز ابھری۔

"لیکن جناب۔ کیا اسے اس کی مرضی کے خلاف کسی اور جیل میں بھیجا جا سکتا ہے؟"

"تب پھر اس کے لئے کچھ اور سوچنا پڑے گا۔" جیلر نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "حکام اسے گولی نہیں مار سکتے تو میں کسی دن جیل میں اسے گولی مار دوں گا۔ ویسے اسکی زندگی خطرے میں تو نہیں ہے۔؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا جناب۔ اگر ہوش نہیں آیا تو پھر اندرونی چوٹ کے بارے میں سوچا جائے گا۔"

جیلر اور ڈاکٹر گفتگو کرتے رہے اور نوجوان دل ہی دل میں مسکراتا رہا۔ وہ اطمینان سے آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ڈاکٹر نے اسے دو انجکشن لگائے۔ جیلر اس دوران چلا گیا تھا۔ پھر ڈاکٹر نے اپنے کسی ماتحت کو آواز دی۔

"یس ڈاکٹر۔"

"وہ یہ ہوش میں نہیں آیا۔"

"نہیں۔" "لیکن چوٹ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا ڈاکٹر"

"کوئی اندرونی چوٹ بھی ہو سکتی ہے۔ ابھی اس کی زندگی خطرے میں ہے۔" تم جیلر صاحب کو اطلاع دو۔ اسے ہسپتال بھجوانا ضروری ہے تاکہ ایکسرے وغیرہ نکال کر اسکا علاج ہو۔"

"میں اطلاع دے دوں؟"

"ہاں جاؤ۔" ڈاکٹر نے کہا۔ اور اس کا ماتحت چلا گیا۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد نوجوان کو ایک اسٹریچر پر لٹایا گیا۔ اسٹریچر کسی وین یا ایمبولنس میں رکھا گیا اور یہ ایمبولنس اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔

نوجوان اطمینان سے اسٹریچر پر لیٹا رہا۔ وہ شاید انتظار کر رہا تھا۔ ایمبولنس سڑکیں طے کرتی رہی، پھر جب نوجوان کو اندازہ ہو گیا کہ وہ جیل سے کافی دور نکل آئی ہے تو اس نے آنکھوں میں جھری پیدا کر کے دیکھا۔

اس کے نزدیک ہی دو سپاہی بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر اس نے ایمبولنس کے دروازے کا جائزہ لیا اور پھر اطمینانیہ انداز میں گردن ہلائی۔

چند ساعت کے بعد وہ اسٹریچر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دونوں سپاہی بری طرح اچھل پڑے تھے۔

"ہوش آگیا۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ لیکن دوسرے لمحے اس کی نگاہ نوجوان کی نگاہوں سے ملی اور وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔

"کیا ہوا۔" دوسرے سپاہی نے پوچھا اور چونک کر نوجوان کی طرف دیکھا لیکن نوجوان نے اس کی صورت بھی دیکھ لی تھی پھر وہ آہستہ سے مسکرایا۔ دونوں سپاہی پتھر کے بتوں کی مانند ساکت ہو گئے تھے۔

نوجوان نے اپنے بدن پر سے وہ کپڑا اٹھایا جو اسے اسٹریچر پر ڈالتے وقت اس کے جسم پر ڈال دیا گیا تھا اور پھر ایمبولنس کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایمبولنس میں پارٹیشن نہیں تھی۔ آگے کی سیٹ پر صرف ڈرائیور تھا۔ اس نے ڈرائیور کو آواز دی۔

"ڈرائیور گاڑی روک دو۔" ڈرائیور کا پاؤں بے اختیار بریکوں پر گیا اور ایمبولنس کی رفتار سست ہو گئی لیکن جونہی ڈرائیور نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے انداز میں ایک عجیب سی سراسیمگی آگئی نوجوان کی آنکھیں اس کی آنکھوں میں پیوست تھیں اور ڈرائیور کا ذہن سن ہوتا جا رہا تھا۔

"سامنے دیکھو، کہیں ایکسیڈنٹ نہ کر دینا۔ نوجوان دھیمے لہجے میں بولا اور ڈرائیور کا رخ گھوم گیا۔ نوجوان عقب سے اسے ہدایت

دے رہا تھا اور چند ساعت کے بعد ایمبولنس سڑک کے کنارے رک گئی۔

"شکریہ" نوجوان نے کہا۔ اور پھر اطمینان سے ایمبولنس کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ پیچھے دونوں پولیس والے ساکت بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے کی سیٹ پر ڈرائیور بھی اسی انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ نوجوان ایمبولنس سے اتر کر چند ساعت ادھر ادھر دیکھتا رہا یہ ایک بھرا پرا بازار تھا جس میں لوگ چل پھر رہے تھے۔ دو طرفہ دکانیں تھیں۔ یہی سب سے اچھی بات تھی چونکہ نوجوان کو ایک باقاعدہ قیدی نہیں قرار دیا گیا تھا اس لئے اس کے بدن پر اس کا اپنا لباس تھا اور اس لباس کی وجہ سے کسی نے اس کی جانب توجہ نہیں دی تھی۔

نوجوان تھوڑی دیر تک چلتا رہا۔ وہ پر اطمینان نگاہوں سے سڑک کی دونوں سمت دیکھتا جا رہا تھا۔ چند ساعت کے بعد اسے ایک جانب ایک ریستوران کا بورڈ نظر آیا اور وہ ریستوران میں داخل ہو گیا۔

ریستوران میں داخل ہو کر اس نے ایک میز کا انتخاب کیا اور اطمینان سے بیٹھ گیا۔ ویٹر کو بلا کر چند چیزوں کے ساتھ چائے لانے کا حکم دیا۔ اور ویٹر نے اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔

نوجوان اطمینان سے چائے پیتے ہوئے کچھ سوچتا رہا۔ پھر ایک خیال کے تحت اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور برا سا منہ بنا لیا۔ اس کی جیب سے تو ساری کرنسی نکال لی گئی تھی، لیکن اسے کیا پرواہ تھی۔ جب ویٹر بل لایا تو اس نے مسکراتے ہوئے ویٹر کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال دیں۔

"یوں سمجھو میں نے تمہیں بل ادا کر دیا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں جناب آپ نے بل ادا کر دیا ہے۔" ویٹر کھوئے کھوئے لہجے میں بولا اور بل کی پلیٹ اٹھا کر واپس پلٹ گیا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے رقم واپس لے جا رہا ہو۔

نوجوان آہستہ آہستہ سیٹی بجاتا رہا۔ پھر اٹھ کر ریستوران سے باہر نکل آیا۔ "اب فضل خان کا اڈہ آباد کرنا چاہئے۔" اس نے سوچا۔ اور ایک طرف چل پڑا۔

فضل خان نے ٹھیک کہا تھا۔ اکبر روڈ پہنچ کر نوجوان نے ایک دوکاندار سے فضل خان کا اڈہ پوچھا تھا۔ دوکاندار کا ہاتھ کام کرتے کرتے رک گیا۔ "کیا پوچھا ہے تم نے؟" اس نے تعجب سے کہا۔

"فضل خان کا اڈہ کہاں ہے؟" نوجوان نے خشک لہجے میں کہا۔

"وہ سامنے۔ پیپل کے پھیلے ہوئے درخت کے پیچھے جو عمارت ہے۔" دوکاندار نے تو کھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور اس نے گردن ہلا دی۔ پھر وہ واپس ہی مڑا تھا کہ دوکاندار نے اسے آواز دی۔

"اماں بھائی صاحب۔ او بھائی صاحب" اور نوجوان رک گیا۔ اس نے سوالیہ انداز میں دوکاندار کی طرف دیکھا تھا۔ "اے بھائی برا نہ مانو تو ایک بات بتا دو۔"

"کیا بات ہے؟"

"ہاں شکل سے تو شریف آدمی معلوم ہوتے ہو۔ کیوں پوچھ رہے ہو اس کا اڈہ؟"

"تو کیا فضل خان شریف آدمی نہیں ہے؟"

"ابے۔ اے بھائی کس نے بہکا دیا ہے۔ میاں موت آئی ہے کیا۔ بھاگ جاؤ بھائی کسی نے مذاق کیا ہے تمہارے ساتھ۔"

"ہوں" نوجوان ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور اب میں تمہارے ساتھ مذاق کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے دوکاندار کا گریبان پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔

"ابے۔ ابے کیا ہو گیا ہے بھائی صاحب۔ اماں قمیض پھٹ جائے گی اللہ کی قسم اماں نیکی برباد گناہ لازم۔"

"تم میرے بھائی کو بدمعاش کہہ رہے ہو۔" نوجوان نے دوکاندار کا گریبان جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"ابے کونسا بھائی۔ کاہے کو گلے پڑ رہے ہو یار۔ اماں قمیض تو چھوڑو۔"

"میرا نام شبیر خان ہے۔ اور فضل خان میرا بھائی ہے۔ سمجھے" نوجوان غرایا۔ اور دوکاندار کا منہ خوف سے پھیل گیا۔

"غلطی ہو گئی پیارے بھائی۔ ایک دفعہ معاف کر دو۔ ابے مجھے کیا معلوم تھا تمہاری صورت سے دھوکا کھا گیا۔ چھوڑ دو یار۔ بال بچوں والا آدمی ہوں۔"

"آئندہ فضل خان کے بارے میں کوئی فضول بات نہ ہو سمجھے"

"ابے میں کیا باؤلا ہو گیا ہوں کبھی نہیں ہوگی پیارے بھائی کبھی نہیں ہوگی چھوڑو یار اللہ کی قسم قمیض پھٹ جائے گی۔" دوکاندار گڑگڑاتا ہوا بولا اور نوجوان نے اس کی قمیض چھوڑ دی۔ پھر وہ اس طرف بڑھ گیا، جادھر دوکاندار نے بتایا تھا کہ فضل خان کا اڈہ ہے پیپل کے تن آور درخت کے پیچھے نظر آنے والی عمارت وسیع تو تھی لیکن باہر سے بے رنگ و روغن تھی۔ ایک بڑا سا دروازہ نظر آ رہا تھا وہ کھلا ہوا تھا ویسے عمارت کی دیواریں کافی اونچی اونچی اور مضبوط معلوم ہوتی تھیں۔ نوجوان نے چند ساعت اس عمارت کا جائزہ لیا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے سے جھانک کر اس نے دیکھا تو قرب و جوار میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا چنانچہ وہ اطمینان سے کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ سامنے ہی تین چوڑی سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں اور ان کے دہانے میں

ایک اور دروازہ تھا۔ یہ دروازہ بند تھا۔ نوجوان نے اس دروازے کو دستک دی اور چند ساعت کے بعد یہ دروازہ کھل گیا۔ ایک لمبے تڑنگے سیاہ فام قسم کے آدمی نے باہر جھانکا تھا اور پھر اس کا چہرہ خشک اور کھردرا نظر آنے لگا۔ ”کیا بات ہے یہ کیوں آیا ہے۔“ دروازہ کھول کر جھانکنے والے نے سوال کیا اور نوجوان گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

”کیا فضل خان کے دوستوں کے ساتھ ایسی ہی گفتگو کی جاتی ہے“ نوجوان نے بھاری لہجے میں کہا۔ اور جھانکنے والے کا چہرہ ایک دم پھیکا ہو گیا۔

”کیا کیا مطلب۔“ اس نے سوالیہ نگاہوں سے نوجوان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں فضل خان کا دوست ہوں اور جیل سے بھاگ کر آیا ہوں“

”اوہ تو اندر آجاؤ اندر آجاؤ باہر کیوں کھڑے ہوئے ہو“ جھانکنے والے نے کہا اور نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اندر داخل ہو گیا۔ جھانکنے والا لمبا ترنگا شخص اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ رہا تھا پھر اس نے ہونٹ بھینچ کر گردن ہلادی۔

”تم جیل سے بھاگے ہو۔“ اس نے سوال کیا

”ہاں۔“

”کب۔“ اس شخص نے پوچھا۔

”میں انٹرویو نہیں دوں گا فضل خان نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے اڈے پر چلے جانا اور سب آدمیوں کو بتانا کہ تم فضل خان کے دوست ہو وہ تمہارے ساتھ بہتر سلوک کریں گے اگر انٹرویو کے بغیر کام نہیں چل سکتا تو میں واپس جا رہا ہوں اور اس وقت آجاؤں گا جب فضل خان جیل سے چھوٹ کر آجائے گا“

”اوہ اوہ ہو نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے انٹرویو کون لے رہا ہے آؤ میں تمہیں رستم سے ملادوں“ اس شخص نے کہا اور نوجوان اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ راستے میں اس نے پوچھا ”یہ رستم کون ہے۔“

”فضل خان کا نائب ہے فضل خان کی غیر موجودگی میں سارے کاروبار وہی چلاتا ہے“ اس نے جواب دیا۔

”تمہارا نام کیا ہے۔“ نوجوان نے سوال کیا۔

”فقیر۔ فقیر محمد“ اس شخص نے جواب دیا اور نوجوان نے گردن ہلادی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ رستم کے سامنے تھا۔ جس بڑے ہال میں وہ داخل ہوا تھا اس میں چاروں طرف میزیں پڑی ہوئی تھیں اور ان میزوں پر اعلیٰ پائے کا جوا ہو رہا تھا۔ نوٹوں کی اونچی اونچی گڈیاں میزوں پر جمی ہوئی تھیں اور لوگ بیٹھے ہوئے جوا کھیل رہے تھے۔ سامنے ہی ایک کاؤنٹر بنا ہوا تھا اور کاؤنٹر کے پیچھے ایک چوڑے شانوں والا اور موٹی گردن والا شخص نظر آرہا تھا اور فقیر محمد نوجوان کو لئے ہوئے اسی شخص کے پاس پہنچ گیا اور پھر اس نے رستم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”استاد یہ شخص جیل سے آیا ہے اور خود کو بڑے استاد کا دوست بتاتا ہے“

”اوہ۔“ رستم نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا اور پھر نرم لہجے میں بولا۔

”ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے دوست کہ تم نے خود کو استاد کا دوست بتایا ہے۔ ہم تمہیں اڈے پر خوش آمدید کہتے ہیں استاد کا نام اتنا ہی بڑا ہے کہ اس کے بعد کچھ پوچھنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی لیکن ہماری تسلی کے لئے کچھ تھوڑا بہت بتادو تو تمہاری مہربانی ہوگی“

”ہاں ہاں کیوں نہیں پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“ نوجوان نے جواب دیا۔

”استاد سے کہاں ملاقات ہوئی تھی اور تم استاد کے دوست کیسے بن گئے۔“

”جیل میں ملاقات ہوئی تھی پرسوں فضل خان واپس آرہا ہے اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس کے اڈے پر پہنچ جاؤں میری سزا ابھی لمبی تھی اس لئے میں جیل سے بھاگ کر آیا ہوں۔“

”بس بس کافی ہے تم نے جو کچھ بتایا وہ ٹھیک ہے اس سے زیادہ ہم کچھ پوچھنا نہیں چاہتے فقیر محمد ہمارے محترم مہمان کو کسی آرام کی جگہ پر ٹھہرا دو۔“ رستم نے کہا اور نوجوان اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

نوجوان کے لئے ایک عمدہ کمرے میں بندوبست کیا گیا تھا۔ اس نے اس جگہ کے لئے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا اور پھر وہ غسلخانے میں داخل ہو گیا۔ نہانے کے بعد وہ تھوڑی دیر تک آرام کرتا رہا۔ اور اس کے بعد لباس وغیرہ تبدیل کر کے ہال کی جانب چل پڑا۔

جوئے خانے میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ ساری میزیں پُر تھیں اور لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ نوجوان اندر داخل ہو گیا۔ اور فوراً ہی رستم نے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ دوسرے لمحے میں وہ شخص نوجوان کے قریب پہنچ گیا۔

”آپ یہاں بیٹھیں گے جناب۔ میز خالی کرادی جائے۔“

”اوہ۔ نہیں۔ میں ذرا یہاں کا جائزہ لوں گا۔“ نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ شخص ادب سے پیچھے ہٹ گیا۔ نوجوان میزوں کے درمیان سے گزرنے لگا۔ پھر ایک جگہ وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ پانچ آدمی فلش کھیل رہے تھے۔ ان میں تین تو سیدھے سادے سے لوگ تھے جن کے سامنے ہزار کے جگ رکھے تھے لیکن دو قابل توجہ تھے۔ ان میں ایک چوڑے شانوں والا اور چپٹے چینیوں جیسے خدوخال کا درمیانی عمر کا آدمی تھا۔ دوسرا نوجوان تھا اور جسمانی طور پر بیحد پھرتیلا نظر آتا تھا۔ ان دونوں کے سامنے نوٹوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ اور ان کے مقابل کھیلنے والوں کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔

نوجوان رک کر دلچسپی سے ان کا کھیل دیکھتا رہا اور پھر یہاں سے ہٹ گیا لیکن اب اس کا رخ کاؤنٹر کی طرف تھا۔ رستم جو گہری نگاہوں سے پورے ہال کی نگرانی کر رہا تھا اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”استاد شیر خان۔“ اس نے مسکراتے ہوئے گردن خم کی۔

"ایک بات بتاؤ رستم"
"جی استاد"
"کیشن پر کھیل ہوتا ہے"
"ہاں استاد۔ بیس فیصد"
"اپنے کھلاڑی بھی ہیں۔"
"آپ کا مطلب ہے شارپر" رستم نے پوچھا۔
"ہاں"
"بڑے استاد قدم بھی نہیں رکھنے دیتے سالوں کو۔ نوکری کے لئے بھی بہت سے آئے مگر استاد نے بھگا دیا۔ استاد کا ایک اصول ہے"؟
"کیا"؟
"بس۔ بیس فیصد۔ دراصل استاد برے کاموں میں بھی بے ایمانی پسند نہیں کرتے" رستم نے جواب دیا۔
"یہاں شارپنگ نہیں ہوتی"؟
"ہرگز نہیں استاد"
"اور اگر کوئی کرے"
"گنجا کر کے منہ کالا کر کے نکال دیا جاتا ہے"
"اوہ۔ نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک شوخ چمک لہرانے لگی تھی۔
"کیوں پوچھ رہے ہو استاد"؟ اب رستم نے پوچھا۔
"شارپنگ ہو رہی ہے"
"کہاں"؟ رستم چونک پڑا۔
"ٹیبل نمبر تیس پر" نوجوان نے جواب دیا۔ اور رستم کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں اور پھر اس نے ہاتھ اٹھایا لیکن نوجوان نے اسے روک دیا۔ "ذرا صبر کرو رستم"
"کس سالے کی یہ مجال ہوئی۔ ہمارے ہاں لوگ بڑے اعتماد سے آتے ہیں اور صرف کھیل کھیلتے ہیں" رستم بگڑ کر بولا۔
"وہ دونوں کون ہیں۔ میری مراد اس شخص سے ہے جو چوڑے کندھے والا ہے اور دوسرا وہ جوان آدمی۔ دونوں پارٹنر ہیں"
"ارے ان سالوں کی ایسی تیسی اور ان کی میز پر تو بڑے معزز لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ کریم اللہ پوڈر والا۔ میں ابھی چیک کرتا ہوں" رستم نے کہا
"ٹھیک ہے۔ پہلے چیک کراؤ۔ تمہارے ہاں ماہر تو ہوں گے"؟
"ہاں۔ رستم نے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ اور وہ رستم کے قریب پہنچ گیا۔
"کیا کر رہے ہو تم ہال میں" رستم غرایا۔
"کوئی گڑبڑ ہے استاد"
"میز نمبر تیس کو چیک کر کے رپورٹ دو"
"اوہ۔ اچھا۔ اس شخص نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹہلتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ کئی منٹ تک وہ کھیل کا جائزہ لیتا رہا۔ اور پھر واپس پلٹ آیا۔
"ہوں۔ کیا رپورٹ ہے استاد"
"کھیل ٹھیک ہو رہا ہے استاد"
"اچھی طرح چیک کر لیا"؟
"ہاں استاد" اس نے جواب دیا اور رستم نے نوجوان کی طرف دیکھا۔ نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"بلائنڈ کارڈ کھینچ جاتے ہیں۔ جاؤ پھر سے دیکھو" نوجوان بولا۔
"کس طرح کھینچ جاتے ہیں"
"جاؤ دیکھو۔ غور سے دیکھو۔ یا رستم اب تم جائزہ لو"
"جاتا ہوں استاد۔ مگر ذرا تفصیل بتا دو"
"جب تک کارڈ بلائنڈ میں رہتے ہیں ان کی انگلیاں چلتی رہتی ہیں اور وہ دوسروں کے پتوں میں سے اچھے پتے کھینچ لیتے ہیں"
"اوہ مگر دوسروں کو پتہ نہیں چلتا"؟ رستم نے تعجب سے پوچھا۔
"یہی ان کا فن ہے"
"میں ابھی ان فنکاروں کی ایسی تیسی کرتا ہوں" رستم نے کہا اور خود کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل گیا نوجوان وہیں کھڑا تھا۔ رستم اس طرح میزوں کے گرد چکراتا ہوا وہاں پہنچا جیسے کسی مخصوص جگہ نہ جا رہا ہو اور پھر وہ اس میز پر کھڑا ہو گیا۔

دفعتاً اس نے کھیلنے والوں میں سے اس نوجوان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا جو جسمانی طور پر فولاد معلوم ہوتا تھا۔ پھر اس کی کرخت آواز ابھری
"یہ کیا ہو رہا ہے"؟ اور نوجوان چونک کر رستم کو دیکھنے لگا۔
"ہاتھ ہٹاؤ" وہ غرایا لیکن رستم نے اس کی جرسی پکڑ لی تھی۔
"کھڑے ہو جاؤ" وہ بولا۔
"لیکن بات کیا ہے اور تم کون ہو" چوڑے شانوں والے خطرناک صورت آدمی نے رستم کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"یہاں کا منتظم ہوں سارے لوگ یہاں صرف اس لئے آتے ہیں کہ یہاں کا کھیل دیانتداری سے ہوتا ہے" رستم نے جواب دیا۔
"جوا۔ اور دیانتداری سے"
"ہاں یہ یہاں کا اصول ہے"
"لیکن ہم کیا بددیانتی کر رہے ہیں۔ ابے میاں اس کی جرسی چھوڑ دو۔ وہ مشینی انسان ہے" چوڑے شانوں والا بولا۔
"تم ان لوگوں کے سامنے سے پڑے ہوئے کارڈ اٹھا لیتے ہو"
"اور یہ لوگ جیسے اندھے ہیں" چوڑے شانوں والا ہنس پڑا۔
اور پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا "تم نے ابھی تک اس کی جرسی نہیں چھوڑی"
"یہ فضل خان کا اڈہ ہے دوست۔ اور تمہاری سزا یہ ہے کہ تمہیں گنجا کیا جائے گا اور پھر تمہارا منہ کالا کر کے یہاں سے نکال دیا جائے گا"
"کیسی"؟ چوڑے شانوں والے نے نوجوان آدمی کو مخاطب کیا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔ اور اسے اس کی بکواس کی سزا دو"۔

دوسرے لمحے نوجوان اس طرح کھڑا ہو گیا۔ جیسے کرسی نے اُچھال دیا ہو اور پھر اس نے کسی فری اسٹائیل پہلوان کی طرح رستم کو اٹھا کر پٹخ دیا۔ لیکن رستم بھی پھرتیلا تھا۔ نیچے گرتے ہی اس نے نوجوان کی گردن میں پیروں سے قینچی ڈال دی لیکن وہ نوجوان کو گرا نہیں سکا تھا بلکہ نوجوان نے ہی اسے منہ کے بل پلٹ دیا اور رستم خاں خاصی مشکل میں پھنس گیا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی دوسرے لوگ بھی دوڑ پڑے۔ اور اسی وقت چوڑے شانے والے نے میز اُلٹ دی۔ جوئے خانے میں کافی ہنگامہ ہو گیا تھا۔ چوڑے شانے والے نے اپنے لباس سے ہلکی اسٹین گن نکال لی تھی۔ اور پھر وہ اسی پُرسکون لہجے میں بولا۔

"دوسرا کوئی نہ بولے۔ اِن دونوں کو فیصلہ کرنے دو۔ ورنہ" اس نے اسٹین گن ہلائی۔ گبسی رستم کو بُری طرح رگڑ رہا تھا۔ تمام لوگ بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ پھر گبسی نے رستم کو اُٹھا کر ایک میز پر اُچھال دیا۔ رستم کے کافی چوٹیں آئی تھیں اور اب اس میں اُٹھنے کی سکت نہیں رہی تھی۔

"آؤ۔ اور کوئی ہے"۔ چوڑے شانوں والے نے کہا۔ لیکن اسٹین گن کی وجہ سے کوئی نہ بولا۔ "چلو گبسی۔ جیتی ہوئی رقم اٹھالو۔ بلکہ اب تو ہمارا پورا حق بنتا ہے جو چاہو اُٹھالو۔ اس نے خود بھی آگے بڑھ کر میزوں سے نوٹ سمیٹنے شروع کر دیئے اور اپنی جیبیں بُری طرح بھر لیں۔ گبسی نے بقیہ نوٹ اُٹھالئے تھے۔

بڑی عجیب فضا پیدا ہو گئی تھی۔ تب نوجوان شبر خاں اپنی جگہ سے کھسکا اور دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی اور جب نوٹ وغیرہ سمیٹ کر وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے تو شبر خاں کی آواز گونجی "رُک جاؤ دوستو۔ تم سے ایک درخواست کرنی ہے"۔ گبسی اور اس کے ساتھی چونک کر اسے دیکھنے لگے "یہ فضل خان کا اڈہ ہے۔ اور فضل خان آجکل چھٹی پر ہے۔ اگر وہ موجود ہوتا تو میں اس معاملے میں نہیں بولتا لیکن اب مجبوری ہے ویسے بے ایمانی تو تم لوگوں نے کی تھی"۔

"گبسی"۔ چوڑے شانوں والا بولا۔

"چیف"۔ گبسی نے سینہ پھلایا۔

"یہ فضل خان کی جگہ بول رہا ہے۔ چنانچہ تم اس کی آواز بھی بند کر دو"۔ اور نوجوان گبسی نے گردن جھکائی اور شبر خان کی جانب متوجہ ہو گیا۔ شبر خان نے دونوں ہاتھ اٹھائے تھے اور پھر اس نے رستم کے آدمیوں کو اشارہ کیا۔

"اسے پکڑ لو اس کی اسٹین گن میں رنگین پانی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک عمدہ قسم کا کھلونا ہے"۔ رستم کے آدمی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے اور پھر وہ بے اختیار آگے بڑھے لیکن دوسرے لمحے چوڑے شانوں والا اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

"اگر یہ شخص تمہارا دشمن ہے تو میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ اس کی باتوں میں مت آؤ اگر تم میں سے ایک بھی بڑھا تو میں اسٹین گن کا فائر کھول دوں گا"۔

"پکڑ لو پکڑ لو"۔ شبر خان نے کہا لیکن وہ سب پھر آگے بڑھے مگر لمبے چوڑے شانوں والے نے اسٹین گن کا ٹریگر دبا دیا اور اس وقت خود اس کا منہ بھی حیرت سے کھُل گیا جب اسٹین گن کی نال سے رنگین پانی کی دھار نکل کر ان لوگوں پر پڑی۔ چوڑے شانوں والے نے کئی قدم پیچھے ہٹ

کر اسٹین گن کو دیکھا اور بڑبڑ کر دبانے لگا مگر ہر بار اس سے رنگین پانی کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل رہا تھا۔ اب نورستم کے آدمیوں کی ہمت بڑھ گئی اور دوسرے لمحے انہوں نے جھپٹا مار کر چوڑے شانوں والے کو دبوچ لیا۔ لیکن چوڑے شانوں والا اس بوکھلاہٹ کے باوجود خاصا مستعد تھا اس نے اسٹین گن پھینک دی اور انہیں گھونسوں پر رکھ لیا۔ وہ ایک بہترین باکسر تھا اور دیکھتے دیکھتے اس نے ان میں سے کئی کو زمین پر لٹا دیا۔ دوسری طرف گیبی شبیر خان کی جانب لپکا تھا اور اس نے پوری قوت سے شبیر خان پر حملہ کیا لیکن بُری طرح دیوار سے جا ٹکرایا۔ شبیر خان اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا۔ وہ گیبی سے زیادہ پھرتیلا تھا گیبی مڑ کر پھر اس پر حملہ آور ہوا لیکن نوجوان نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"سنو گیبی میرے دوست میری بات سنو۔" اور گیبی اس طرح جھٹک گیا جیسے اس کے اعضاء اس کا ساتھ چھوڑ گئے ہوں۔

"بات یہ ہے کہ یہ فضل خان کا قانون ہے اس اڈے پر جوا کھیلنے والے بے ایمانی کر کے یہاں سے واپس نہیں جا سکتے چنانچہ میرے دوست گیبی اس قانون کی تم سے زیادہ حفاظت اور کون کر سکتا ہے۔ ایسا کرو کہ سب سے پہلے تو اپنی اور چیف کی جیب سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر ایک میز پر سجا دو۔ چلو۔ شاباش جلدی کرو پھر میں تمہیں دوسرا حکم دوں گا۔" اور گیبی واپس مڑ گیا اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی سی لگ رہی تھیں آہستہ آہستہ وہ چوڑے شانوں والے کی طرف بڑھا اور چوڑے شانوں والے کے انداز میں پھر بوکھلاہٹ نظر آنے لگی۔

"گیبی اس شخص کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔" وہ بولا لیکن گیبی اس کی جانب بڑھتا ہی رہا اور پھر اس نے چوڑے شانوں والے کی جیب پر ہاتھ مارا لیکن دوسرے لمحے چوڑے شانوں والے کا تھپڑ گیبی کے منہ پر پڑا تھا۔ گیبی نے تھپڑ کھا کر بھی کچھ نہ کہا تبھی شبیر خان زور سے چیخا "اوہ گیبی تم اس سے زیادہ طاقتور ہو اگر یہ جیبیں خالی نہ کرے تو مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دو۔" اور دوسرے لمحے گیبی چوڑے شانوں والے پر جھپٹ پڑا یہ اتنا حیرت انگیز منظر تھا کہ دیکھنے والے گم ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ دلچسپی سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے اب وہ دونوں آپس میں لڑ رہے تھے۔ چوڑے شانوں والا بلاشبہ کسی بھینسے کی طرح طاقتور تھا لیکن گیبی بھی بہت پھرتیلا تھا اور دونوں داؤ پیچ دکھا رہے تھے۔ دوسری جانب نوجوان شبیر خان نے آگے بڑھ کر رستم کو اٹھا لیا تھا اور پھر وہ مسکراتے ہوئے بولا "رستم ایک اُسترہ مہیا کر دو سر مونڈنے کے لئے کیا بندوبست ہے یہاں پر۔" لیکن رستم کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی۔ کافی دیر تک وہ ان دونوں کی جانب دیکھتا رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا "یہ کیا تماشہ ہے؟"

"بس میری جان فضل خان نے اس لئے مجھے اپنا دوست بنایا ہے کہ میں اسے بہترین تماشے دکھاؤں ہاں وہ اُسترا۔" رستم ہنس پڑا۔ دوسرے لمحے اس نے ایک آدمی کو اشارہ کیا اور وہ آدمی اُسترہ لے کر آ گیا۔

"گیبی بس اب اسے چھوڑ دو اور ہاں اس کا سر بھی تمہیں ہی مونڈنا ہے اور فضل خان کا حکم تو پورا ہونا ہی چاہیئے۔" گیبی نے پھر گردن جھکا لی تھی۔

"گیبی کیا تو پاگل ہو گیا ہے۔" چوڑے شانوں والا دھاڑا۔

"دیکھو بھائی تم جو کوئی بھی ہو خاموشی سے بیٹھ جاؤ اور اپنا سر منڈوا لو اس کے علاوہ ہمیں تم سے اور کوئی تعرض نہیں ہے۔" نوجوان نے کہا اور چوڑے شانوں والا اس کی طرف دیکھنے لگا پھر وہ آہستہ آہستہ زمین پر بیٹھ گیا۔ گیبی نے اُسترہ سنبھال لیا اور ایک اور دلچسپ منظر لوگوں کے سامنے آ گیا۔ وہ سب حلق پھاڑ کر ہنس رہے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے جو خوفناک فضا پیدا ہو گئی تھی اب وہ قہقہوں میں تبدیل ہو گئی تھی گیبی نے چوڑے شانوں والے کے خوبصورت بال اس کے سر سے اتار دیئے اور پھر شبیر خان کی جانب دیکھا۔

"اب یہ اُسترہ اسے دے دو آخر تمہارا سر بھی صاف ہونا ہے۔" نوجوان بولا اور گیبی نے خاموشی سے اُسترہ اس شخص کی جانب بڑھا دیا اور یہی کام اس نے بھی شروع کر دیا تھا۔ دونوں گنجے ہو گئے تو شبیر خان نے رستم کی جانب دیکھا۔

"رستم اب تم اپنا کام انجام دو ان کے خوبصورت چہرے سیاہ کر دو پھر یہ خود کو ارفع محسوس کریں گے چلو شاباش۔" اور پھر ان دونوں کے چہرے سیاہ کر کے انہیں ہال سے باہر نکال دیا گیا۔ ہال میں بے پناہ قہقہے گونج گئے تھے بہت سارے لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہی باہر نکل آئے تھے رستم اور اس کے ساتھی ان تمام لوگوں کی رقومات واپس کر رہے تھے جن کی رقمیں ان لوگوں نے حاصل کر لی تھیں تب رستم متحیرانہ انداز میں بولا۔

"یہ سب کیا ہوا شبیر خان یہ سب کیا ہوا ہے۔"

"دیکھو دوست یہ لوگ بدمعاش بن کر یہاں آئے تھے لیکن میرا دعویٰ ہے کہ سب سے بڑا بدمعاش میں ہوں اور جب تک میں یہاں پر ہوں کسی اور کی یہاں پر نہیں چل سکے گی فضل خان آ جائے اس کے بعد ہم اس سلسلے میں فیصلہ کریں گے اب میں آرام کرنے جا رہا ہوں تم جاؤ اور تمہارا کام۔" شبیر خان واپس مڑ گیا۔

ہال میں تحیر بھری نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک وہ دونوں اس کے سامنے چوہے کیوں بن گئے تھے۔ اس نے تو پانسہ ہی پلٹ دیا تھا۔

بہرحال شبیر خان نے اپنا رعب جما لیا تھا اب نورستم اور دوسرے لوگ بھی اس کے بارے میں عجیب انداز میں سوچ رہے تھے۔ رات کو شبیر خان نے اپنی رہائش گاہ میں آرام کیا۔ پھر دوسرے دن جوئے خانے میں ایک عجیب چہل پہل نظر آئی سب لوگ خوش و خرم نظر آ رہے تھے پھر رستم اس کے پاس پہنچ گیا۔

"بڑے استاد کو لینے چلو گے شبیر خان۔"

"کہاں سے؟" شبیر خان نے پوچھا۔

"جیل سے"؟

"میری تم سے کوئی دشمنی ہے رستم"؟ شیر خان نے پوچھا۔

"دشمنی۔ خدا نہ کرے۔ کیوں"؟

"میں جیل سے بھاگا ہوا ہوں۔ تم مجھے واپس جیل پہنچانا چاہتے ہو" نوجوان نے ہنس کر کہا اور رستم نے دانتوں کے نیچے زبان دبالی۔

"شرمندہ ہوں استاد" بھول گیا"

"تم لوگ جاؤ اور فضل خان کو لے آؤ" شیر خان نے کہا اور رستم چلا گیا۔ تقریباً بارہ بجے وہ لوگ فضل خان کو لئے ہوئے واپس آئے۔ فضل خان پھولوں سے لدا ہوا تھا۔ اپنے اڈے پر پہنچ کر وہ فوراً نوجوان سے بولا۔

"اوئے شیرے۔ اوئے گلفام۔ کیسا ہے میرے یار۔ خوب چکمہ دیا پولیس کو۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی یہاں"

"نہیں فضل خان۔ تمہارے ساتھی بہت اچھے ہیں"

"اوئے تو نے یہاں بھی کمال کر دکھایا۔ میں نے تیرا نام غلط تو نہیں لیا۔ سنا ہے بڑے خطرناک لوگوں کی مار لگائی تھی۔"

"وہ کوئی خاص بات نہیں ہے شیر خان۔ بس وہ دونوں تمہارے اصول توڑ رہے تھے میں نے انہیں ٹھیک کر دیا"

"یار فضل خان کی تو عید ہو گئی ہے۔ ایسا دوست خدا قسم کہاں ملتا ہے" فضل خان بہت خوش ہے۔

"لیکن میں خوش نہیں ہوں فضل خان" شیر خان بولا۔

"اوئے۔ کیوں۔ کیا بات ہے"؟

"یہ تمہارا شہر ہے فضل خان"؟

"ہاں۔ یعنی خدا کی ہے۔ مگر"؟

"یہاں دوسرے خطرناک لوگ بھی رہتے ہوں گے۔ میرا مطلب ہے بدمعاش، چور، خونی اسمگلر وغیرہ"؟ نوجوان نے پوچھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ اکیلا فضل خان تو خدا کی خدائی میں نہیں ہے"

"لیکن شیر خان اکیلا ہے فضل خان" نوجوان شیر خان نے کہا اور فضل خان نہ سمجھنے والی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں نہیں سمجھا شیر خان" اس نے کہا۔

"شیر خان اس ملک کا اس شہر کا سب سے بڑا مجرم ہے اور جہاں شیر خان ہوگا وہاں کوئی دوسرا مجرم نہیں ہوگا" شیر خان نے کہا اور فضل خان کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

"اوئے خدا سے ڈرو۔ خدا سے ڈرو شیر خان۔ یہ غرور کی بات ہے"

"نہیں فضل خان! غرور کی بات نہیں ہے۔ ایک حقیقت ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ میں اس ملک کے تمام جرائم پیشہ لوگوں کو جرم کرنا بھلا دوں گا"!

"مگر کیوں۔ وہ تمہارا کیا بگاڑتے ہیں"

"بس یہ میری ہابی ہے"

"تو پھر کیا کرو گے"؟

"جرائم ختم کر دوں گا"!

"عجیب بات کہہ رہے ہو برادر۔ جرائم بھی کبھی ختم ہوئے ہیں۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر دور میں جرائم ہوتے رہے ہیں"

"مانتا ہوں۔ لیکن کسی بھی ملک پر صرف ایک حکمراں ہوتا ہے"

"یہ جمہوریت کا دور ہے گلفام" فضل خان ہنس کر بولا۔

"سیاست کی دنیا میں جرائم کی دنیا میں ابھی ایسا کوئی قانون نہیں بنا ہے۔ جرائم کا شہنشاہ ایک ہی ہونا چاہیئے"

"اور وہ شیر خان ہوگا" فضل خان ہنس کر بولا۔

"ہاں۔ شیر خان ہوگا" نوجوان نے سخت لہجے میں کہا۔

"اور فضل خان کیا ہوگا"؟

"فضل خان شیر خان کا دوست ہے۔ اس کا داہنا بازو ہے"

"اوئے شیر خان تیری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ جو کہنا ہے صاف صاف کہہ یار" فضل خان گردن جھٹک کر بولا۔

"میں صاف الفاظ میں کہہ رہا ہوں فضل خان۔ اس شہر میں شیر خان موجود ہے یہاں اور کوئی مجرم نہیں رہے گا جو مجرم باقی رہے گا وہ شیر خان کا خادم ہوگا اور کوئی جرم شیر خان کی مرضی کے خلاف نہیں کر سکے گا"

"مگر یہ کیسے ممکن ہے" فضل خان نے پوچھا۔

"یہی تو میں ممکن بناؤں گا"!

"اوئے یار جو تیرا دل چاہے کر۔ مگر کوئی ایسا کام مت کرنا جو فضل خان کبھی نہ سنبھال سکے" فضل خان ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"مجھے تمہارا تعاون بھی درکار ہوگا فضل خان"

"جو تو کہے گا میں کروں گا تو اپنی سمجھ میں نہیں آیا۔ چوہے کی طرح آیا تھا لیکن شیر خان بن گیا"

"میں یہاں مجرموں کا یتیم خانہ کھولنا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے مجھے کوئی عمدہ اور کشادہ عمارت درکار ہوگی"

"مجرموں کا یتیم خانہ" فضل خان منہ پھاڑ کر ہنس پڑا۔

"ہاں۔ وہ مجرم جنہیں میں جرائم سے روکوں گا کہاں جائیں گے۔ آخر انہیں کھانے پینے اور زندگی گزارنے کے لئے کچھ چیزیں درکار ہوں گی وہ انہیں اس عمارت سے ملیں گی۔ میں جرائم کو جرائم سے ختم کر دوں گا"!

"اوہ۔ میرے بھائی لیکن جرم کو ختم کرنا تو پولیس کا کام ہے۔" فضل خان بولا۔

"مجھے تم سے اختلاف ہے فضل خان" شیر خان برا سا منہ بنا کر بولا۔

"کیا مطلب"

"پولیس جرائم کو ختم نہیں کرتی۔ میں اس بحث میں نہیں پڑوں۔ بس جو میں چاہتا ہوں کروں گا"!

"اب مجھے تیرے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا" فضل خان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا غور کرو گے فضل خان؟"

"دیکھو یار۔ فضل خان نے کوئی بڑی تعلیم نہیں حاصل کی لیکن عمر کا تجربہ سب سے بڑی تعلیم ہوتا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں تیرے اندر کوئی اور چھپا بیٹھا ہے۔"

نوجوان تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا "میں تمہارے اس خیال کی تردید نہیں کروں گا فضل خان۔ تم میرے دوست ہو۔ اپنے بارے میں تمہیں کافی حد تک بتا چکا ہوں۔ ماں باپ کی موت کے بعد کی زندگی بڑی اذیت ناک تھی۔ جرائم کی دنیا کی طرف اپنے شوق سے نہیں آیا تھا حالات لائے تھے میرے ذہن میں شدید خواہش تھی کہ کوئی سہارا مل جائے اور میں اس زندگی میں نہ آؤں۔ لیکن مجرم عام انسانوں کی مانند ہوتا ہے۔ اس کے لئے جرائم کا میدان تیار کیا جاتا ہے۔ اور پھر نیک زندگی کے سارے راستے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ مجھے ساری دنیا کے مجرموں سے ہمدردی ہے۔ میں انہیں اچھائیوں کی زندگی کی جانب لانا چاہتا ہوں اور یہی میرا مشن ہے۔ میں مجرم ہوں فضل خان لیکن میں چاہتا ہوں کہ دنیا میں میرے علاوہ کوئی مجرم نہ رہنے پائے۔"

"اوئے خدا کی خوار۔ تیرے سینے میں اتنا خوبصورت دل ہے۔" فضل خان حیرت سے بولا۔

"اسے خوبصورت دل مت کہو فضل خان۔ میں تو خود کو انسان سمجھتا ہی نہیں۔ دل جیسی چیز تو انسان کے پاس ہوتی ہے۔ میں نے بڑی محنت کی ہے فضل خان۔ میں نے بڑے شعبدے سیکھے ہیں۔ مثلاً اگر میں چاہوں تو تمہاری جیب سے مکھیوں کا چھتہ برآمد ہو جائے۔ یہ دیکھو۔" نوجوان نے کہا اور اچانک فضل خان کی جیب پھول گئی۔ دوسرے لمحے اس کی جیب سے شہد کی مکھیاں اڑنے لگیں اور فضل خان کا منہ تعجب سے پھیل گیا۔

"ارے۔ ارے۔ کاٹ لیں گی۔ خدا قسم کاٹ لیں گی۔ روکو ان کو۔ روکو۔" فضل خان اپنی جگہ کھڑے کھڑے چیخا۔ وہ ہل جل اس لئے نہیں رہا تھا کہ کہیں مکھیاں اس کے جنبش کرنے پر اس سے چمٹ نہ جائیں۔

"نہیں کاٹیں گی فضل خان اس لئے کہ تم میرے دوست ہو۔" شبیر خان ہنستا ہوا بولا لیکن فضل خان کی جان بنی ہوئی تھی۔ وہ اس وقت تک ساکت و جامد کھڑا رہا جب تک آخری مکھی بھی اس کی جیب سے باہر نہ نکل گئی۔

نوجوان نے آگے بڑھ کر چھتہ اس کی جیب سے نکال لیا اور پھر اسے ایک طرف ڈال دیا۔

"خدا کی قسم تو۔ تو جادوگر ہے۔ تو جادوگر ہے شبیر خان۔"

"نہیں فضل خان۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ میں ایسے بے شمار شعبدے جیب میں رکھتا ہوں۔ اگر میرا کام سخت مشکل ہو جائے" نوجوان نے کہا۔ اور فضل خان گردن جھٹکنے لگا۔ کافی دیر تک وہ بوکھلایا رہا۔ پھر بولا۔

"لیکن شبیر خان۔ میرے دوست میں نے یہ بات مان لی کہ تو طاقت رکھتا ہے تو بہت کچھ کر سکتا ہے۔ مگر تو ساری دنیا کو کس طرح بدل سکتا ہے؟"

"ساری دنیا کو تو صرف خدا ہی بدل سکتا ہے" فضل خان۔ میں تو جن لوگوں کے کام آؤں تو مجھے خوشی ہو گی۔"

"مجرموں سے تو پوری خدائی بھری پڑی ہے۔ کیا تو معمولی قسم کے چور اچکوں سے بھی باز پرس کرے گا۔ غریبوں کو بھی مارے گا۔"

"نہیں فضل خان۔ انہیں سے تو مجھے ہمدردی ہے۔ بڑے مجرم تو میرا شکار ہوں گے۔ وہی ان بیچاروں کے لئے اچھی زندگی مہیا کر رہے گے۔"

"اوہ۔ تو تم ان لوگوں سے ٹکرانے کا ارادہ بھی رکھتے ہو۔"

"ہاں فضل خان۔" نوجوان نے جواب دیا۔ اور فضل خان گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بہر حال فضل خان تیرے لئے ہر کام کرنے کو تیار ہے۔ بول مجھے کیا کرنا ہے۔"

"سب سے پہلے میرے لئے ایک عمارت کی تلاش۔"

"لیکن عمارت خریدنے کے لئے دولت کی ضرورت ہو گی۔ فضل خان بھی بہت سے لوگوں کو پالتا ہے۔ وہ اتنی بڑی رقم۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں فضل خان۔"

"کیا؟"

"ایئر پورٹ کسٹم نے صفدر کے پاس کرنسی بھی دیکھی تھی اور اسلحہ بھی۔ اور غلط تو نہیں دیکھا تھا ان بے چاروں نے۔ تو میرے پاس اچھی کافی دولت ہے۔ میں اپنے کاروبار کے لئے پوری مشینری خرید سکتا ہوں بس میری پسند کی جگہ مل جائے۔"

"دولت ہو۔ پھر تو کونسا کام مشکل ہے دوست" فضل خان نے گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

روز مرہ کا معمول تھا۔ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اسی جیل میں خود اس کی نگرانی میں بہت سے مجرموں کو پھانسی ہو چکی تھی۔ یہ خطرناک لوگ معاشرے کے چہرے کا بدنما داغ ہوتے ہیں۔ ان کے وجود سے معاشرہ پاک ہو جائے تو اس سے اچھی بات اور کوئی نہیں ہوتی۔ خود جیلر کا بھی یہی نظریہ تھا وہ قانون کا محافظ تھا۔ قانون کی برتری چاہتا تھا۔

لیکن محمد خان۔ بتیس تینتیس سال کے اس کڑیل جوان کے لئے جیلر کا دل رو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں۔ وہ قتل کا مجرم تھا۔ اس نے ایک زمیندار کو قتل کیا تھا۔ دین پور کے بہت بڑے زمیندار کو اور زمیندار کے بیٹوں نے اسے پھانسی کے تختے تک پہنچا دیا تھا۔ محمد خان کو دوسرے دن صبح پھانسی ہونی تھی۔ صبح سات بجے اسے دنیا چھوڑ دینی تھی۔

محمد خان ایک سال سے اس جیل میں تھا۔ خاموش فطرت اور نیک طبیعت کا انسان جیلر کو کبھی اس سے شکایت نہیں ہوئی تھی۔ تین ماہ تک اس نے جیلر کی کوٹھی پر بھی کام کیا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک اچھی فطرت کا

انسان تھا اور جیلر کو اس سے انسیت ہو گئی تھی۔ کئی بار اس نے محمد خان سے اس کے حالات پوچھنے کی کوشش کی تھی لیکن محمد خان مسکرا کر خاموش ہو جاتا تھا۔ ایک بار اس نے کہا تھا۔

"وہ بڑے زخم ہیں جیلر صاحب۔ اگر مجھ سے آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوئی تو اس کے صلے میں ان زخموں کو نہ کریدیں مجھے اس خاموشی پر معاف کر دیں۔" اور اس کے بعد جیلر نے اس سے اس کی ذات کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔

لیکن پھانسی کی سزا ملنے کے بعد جیلر کے دل میں بار بار خیال ابھر رہا تھا کہ کیا محمد خان گمنام ہی مر جائے گا۔ اس کا راز کبھی نہ معلوم ہو سکے گا۔؟ یہ پہلا مجرم تھا جس کے لئے جیلر رات کو ایک لمحے تک نہ سو سکا تھا۔

اور جب بے چینی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو جیلر اپنے کمرے سے نکل آیا۔ اس نے وردی پہنی اور اپنی رہائش گاہ سے نکل کر جیل کے اس حصے کی طرف چل پڑا جہاں کال کوٹھریاں تھیں تنگ و تاریک کوٹھریاں جہاں سزائے موت کے قیدی رکھے جاتے تھے۔

پہریداروں سے سلوٹ لیتا ہوا بالآخر وہ محمد خان کی کوٹھری تک پہنچ گیا۔ اندر سے آتی ہوئی روشنی کی چند کرنیں محمد خان کی کوٹھری کو روشن کر رہی تھیں اور اس روشنی میں محمد خان نظر آ رہا تھا۔ وہ سجدے میں پڑا ہوا تھا۔

جیلر کے دل پر عجیب سا اثر ہوا۔ اور وہ اس کے سجدے سے اٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد محمد خان اٹھ گیا۔ غالباً وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ جب اس نے سلام پھیرا تو اس کی نگاہ جیلر پر پڑی۔

"کون ہے؟" شاید جیلر اسے واضح طور سے نظر نہیں آ رہا تھا۔

"میں جیلر ہوں محمد خان" جیلر کی آواز ابھری اور محمد خان نے اسے سلام کیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ سلاخوں کے نزدیک آ گیا۔

"آپ کی نوکری بھی بڑی سخت ہے جیلر صاحب نہ دن کو چین اور نہ رات کو آرام۔ اس وقت شاید آپ یہ دیکھنے آئے ہیں کہ محمد خان جیل توڑنے کی کوشش میں تو مصروف نہیں ہے۔ تو جیلر صاحب جیل تو میں توڑ چکا ہوں۔ سات بجکر ایک منٹ پر میں آزاد ہو جاؤں گا۔ میرا بدن نہ سہی روح ہی سہی" وہ مسکرانے لگا۔

کسی سزائے موت کے مجرم کو جیلر نے اتنا پُرسکون اور پُراعتماد کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسے حیرت ہوئی اور وہ گہری نگاہوں سے محمد خان کا جائزہ لینے لگا۔

"نماز پڑھ رہے تھے محمد خان؟"

"ہاں۔ آخری وقت میں مسلمان ہونے کی کوشش کر رہا تھا ویسے جیلر صاحب آپ سچ مچ ہی دیکھنے آئے تھے نا؟"

"نہیں محمد خان۔ تم جانتے ہو میں نے کبھی تمہیں برا انسان نہیں سمجھا۔ اور نہ تمہارے ساتھ جیل میں کوئی برا سلوک ہوا۔ دل تو چاہتا ہے کہ تم سے بہت سی باتیں کروں لیکن جانتا ہوں میں تمہارے اور خدا کے درمیان نہیں آؤں گا۔"

"باتیں کریں جیلر صاحب۔ میرا دل بھی چاہ رہا ہے کہ آخری باتیں کروں۔ آپ آ گئے آپ کی بہت مہربانی۔"

"میں نے تم سے تمہارے بارے میں کئی بار پوچھا محمد خان۔ لیکن تم نہیں کھلے کیا آج بھی زبان بند رکھو گے۔ کوئی ایسا احساس لے کر تو نہیں جاؤ گے محمد خان جو تمہیں موت کے بعد پریشان کرے۔"

"آج تو سب کچھ بتا دوں گا جیلر صاحب۔ کیا آپ مجھے کچھ وقت دیں گے۔"

"میں تمہارے ساتھ پوری رات گزارنے کے لئے تیار ہوں محمد خان اپنے دل کا ہر راز کھول دو۔" جیلر نے کہا۔

"ہاں جیلر صاحب دل تو بھی چاہ رہا ہے کہ کوئی دل کی بات سن لے بڑے ہی شریف آدمی ہیں آپ میرے ساتھ جیل میں جو کچھ کیا ہے میں آپ کو اس کے صلے میں صرف یہ دعا دے سکتا ہوں کہ خدا آپ کو دنیا کی ہر بلا سے محفوظ رکھے۔" محمد خان کے لہجے میں کوٹ کوٹ کر خلوص بھرا ہوا تھا۔

جیلر کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا "ہاں محمد خان کہو اور اسی خلوص سے کہو جس سے تم نے یہ بات کہی ہے میں تمہارے کام آنا چاہتا ہوں میرے دوست زندگی بچانا اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں آزادی دے دیتا۔"

"میں جانتا ہوں جیلر صاحب لیکن بعض اوقات دو میٹھے بول زندگی سے بڑھ کر ہوتے ہیں جیلر صاحب مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے اس دنیا میں میری ایک بہن ہے میں انسان کی پریشانیوں اور الجھنوں سے واقف ہوں جیلر صاحب۔ میری بہن میرے ایک عزیز کے گھر رہتی ہے پچھلی بار جب وہ مجھ سے ملنے آئی تھی تو اس نے بتایا تھا کہ میرا وہ غریب عزیز اس کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہے۔ وہ خود بھی بال بچے دار آدمی ہے اور اپنے ہی مسائل میں گرفتار ہے۔ ان حالات میں جیلر صاحب بھلا وہ میری بہن کو کیا خوش رکھ سکتا ہے میری بہن ایک نوکرانی کے مانند اس کے گھر کا کام کاج کرتی ہے اور بمشکل تمام اسے دو وقت کی روٹی نصیب ہوتی ہے۔ لیکن میرا عزیز میری بہن سے تنگ آیا ہوا ہے جیلر صاحب خدا کی قسم زندگی میں پہلی بار دل چاہا تھا کہ جیل توڑ کر یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کروں اور صرف اپنی بہن کی وجہ سے۔ تب میں نے اپنے خدا سے کہا کہ میں تو پہلے بھی بے گناہ تھا اس بات کو خدا جانتا ہے تو پھر وہ میری مدد کیوں نہیں کرتا اور جیلر صاحب میں نے بالآخر اسے خدا کے سپرد کر دیا لیکن سکون نہیں ملا میں جانتا ہوں کہ میرا وہ غریب رشتہ دار بھی بے قصور ہے۔ بیچارہ اپنے ہی مسائل کا شکار ہے میری بہن کی کیا کفالت کر سکے گا وہ ساری زندگی اسی طرح بیٹھی رہے گی جیلر صاحب ایک شریف انسان ہونے کے ناطے سے دل کی بات آپ سے کہہ رہا ہوں اور ضروری نہیں جیلر صاحب کہ آپ میری باتوں کو کسی ہوشمند انسان کی باتیں

سمجھیں کیونکہ اس دور میں ہر انسان کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں لیکن آپ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں دل آپ کے سامنے کھول دوں تو کھول رہا ہوں جیلر صاحب میری آخری خواہش یہ ہے کہ کوئی صاحب دل میری بہن کے سر پر ہاتھ رکھے اور اسے کسی ایسے نیک انسان سے بیاہ دے جو اسے دو وقت کی روٹیاں مہیا کر دے اور اسے عزت کا مقام دے سکے اگر میری لاوارث بہن بھٹک گئی جیلر صاحب تو میری روح سکون نہ پا سکے گی —"

"اوہ محمد خان میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا لیکن میرے دوست اپنی بہن کو لاوارث مت سمجھو مجھے اس کے بارے میں تفصیلات بتاؤ میں کچھ زیادہ نہیں کر سکوں گا لیکن اتنا ضرور کر سکتا ہوں کہ اسے اپنے پاس لا کر اس کی زندگی کے لئے کوئی مناسب ٹھکانہ تلاش کر سکوں۔ محمد خان صبح تمہیں موت کی سزا ہو جائے گی۔ خدا بزرگ و برتر کے پاس جانے والے کے ساتھ میں کوئی پُرفریب گفتگو نہیں کر رہا۔ میں وعدہ کرتا ہوں محمد خان کہ تمہاری بہن تمہارے بعد میری بہن ہو گی اور میں اس کی بہتری کے لئے جو کچھ کر سکوں گا کروں گا" محمد خان نے گردن جھکا لی اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ پھر اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ "اگر یہ بات آج سے ایک سال پہلے بھی کوئی شخص کہہ دیتا تو جیلر صاحب خدا کی قسم میں نے دن موت کا انتظار کیوں کرنا ہے اس بات کے کہنے کے بعد تو مجھے اسی وقت پھانسی مل جاتی تو کسے پرواہ تھی جیلر صاحب آپ جتنے اچھے انسان ہیں اس کی وجہ سے میں آپ کی بات پر پورا پورا بھروسہ کر رہا ہوں۔ خدا کی قسم آپ کے جانے کے بعد میں پورا وقت سجدۂ شکر بجا لانے میں گزار دوں گا آپ نے میرے دل کا وہ بوجھ ہلکا کر دیا ہے جو شاید موت کے بعد بھی ہلکا نہ ہوتا۔"

"ٹھیک ہے محمد خان بھروسہ رکھو۔"

"میں مظلوم انسان ہوں جیلر صاحب بڑی مشکل کا شکار ہو گیا ہوں چھوٹا سا علاقہ تھا اپنی زمینیں تھیں اور ہم باپ بیٹے تھے دونوں محنت اور مزدوری کر کے اپنی زمینوں کو سرسبز بنا دیا کرتے تھے اور پھر ہماری یہ چھوٹی سی زمینیں اتنا سونا اگلتیں کہ ہم لوگ سکون کا سال گزارتے لیکن زمینوں کے اس جاندار قطعے پر بڑے زمیندار کی نگاہیں تھیں انھوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ ہم زمینوں کے اس قطعہ کو بیچ دیں لیکن بھلا اپنا گھر اپنا روزگار بھی کوئی بیچتا ہے بڑے زمیندار صاحب نے سازشیں کیں۔ ہر طرح سے ہمیں تنگ کرنے کی کوشش کی آپ خود ہی بتایئے جیلر صاحب اتنی بڑی جاگیر کے مالک اگر زمین کے اس چھوٹے سے ٹکڑے پر نگاہیں چرا لیتے تو ان کی شان میں کونسی کمی واقع ہو جاتی۔ سکون سے رہنے والوں کے سکون کو چھیننا کہاں کی شرافت ہے۔ زمیندار صاحب اس طرح حد سے گزر گئے تو انسانیت ان کی مکروہ سازشوں سے نفرت کرنے لگی اور جب وہ ان سازشوں میں بھی کامیاب نہ ہو سکے تو انہوں نے ایک آخری سازش کی۔ میں اور میرا باپ کھیتوں میں کام کر رہے تھے کہ چار آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا مجھ پر تو قابو نہ پا سکے لیکن میرے باپ کو قتل کر دیا گیا جیلر صاحب موت کی طرف جا رہا ہوں اس لئے جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ جو کچھ کہا سچ کہا ہے وہ، چاروں بھاگ گئے۔ میں زخمی ہو گیا تھا تب میں اپنے باپ کی لاش لے کر بستی میں آیا اور میں نے بستی والوں کے سامنے زمیندار کا یہ کارنامہ رکھ دیا لیکن کس کی مجال تھی کہ مظلوم کا ساتھ دیتا کل اس کی لاش بھی اسی طرح بستی میں آتی میں نے اپنے باپ کو دفن کر دیا جیلر صاحب لیکن اس کی قبر کی مٹی کی قسم کھائی بہت جلد زمیندار کو اسی طرح خاک و خون میں لٹا دوں گا اتنا سا قصور تھا جیلر صاحب جو ہم نے خود نہیں کیا ہاں اس قسم کو پورا ضرور کیا اور زمیندار کی کھوپڑی اس کی گردن سے اتار کر پوری بستی میں گھمانے کے بعد میں نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا بس اتنا نہیں سوچا تھا کہ بستی کا کوئی شخص میری بہن کا ساتھ نہیں دے گا یہی ایک غلطی ہو گئی تھی جیلر صاحب ورنہ اپنی زندگی میں کیا رکھا تھا بعد میں پتہ چلا کہ میری بہن بستی سے نکال دی گئی ہے کیونکہ زمیندار کے دونوں بیٹوں نے اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کے لئے اس کی آبرو پر ہاتھ ڈالا تھا۔ بستی والے صرف اتنا ہی کر سکے کہ انہوں نے میری بہن کو بستی سے شہر بھگا دیا اور اس وقت سے وہ میرے اس رشتہ دار کے پاس ہے زمیندار کے بیٹوں نے کوشش کر کے مجھے پھانسی کے تختے تک پہنچا دیا ظاہر ہے انہیں یہی کرنا چاہیئے تھا لیکن بھلا بتایئے اگر وہ ہمیں اس چھوٹی سی زمین پر اپنا روزگار حاصل کرنے دیتے تو ان کا کیا جاتا۔ بس اتنی سی کہانی ہے جیلر صاحب محمد خان کی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے لیکن آپ نے جو کچھ کہا ہے اس وقت خدا کی قسم اگر روز محشر اس کا بدلہ چکانے کا موقع ملا تو ضرور چکاؤں گا۔" محمد خان خاموش ہو گیا جیلر کی آنکھیں بدستور نم تھیں پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "خدا تمہیں عزم و ہمت دے محمد خان بہر صورت اپنی بہن کی جانب سے مطمئن رہنا محمد خان صبح کو مر جائے گا لیکن اس کی بہن کا بھائی زندہ ہے اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔" محمد خان نے گردن جھکا لی تھی تھوڑی دیر کے بعد جیلر وہاں سے چلا آیا۔

لیکن اس کا ذہن محمد خان میں الجھا ہوا تھا۔ اپنی رہائش گاہ میں داخل ہوا تو اس کی بیوی اس کی منتظر تھی۔

"خیریت۔ تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟"

"اوہ۔ تم کیوں جاگ گئیں؟"

"بس آنکھ کھل گئی تھی۔ کہاں گئے تھے؟"

"کال کوٹھری کی جانب"

"کیوں؟"

"کل صبح محمد خان کو پھانسی ہو رہی ہے"

"ہاں۔ میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔ مجھے بھی دکھ ہوا تھا۔ بڑا اچھا انسان ہے بیچارہ۔"

"ہاں کوثر۔ ابھی ہمارے معاشرے کے لئے سخت اصلاح کی ضرورت ہے۔ حالات بعض اوقات اس طرح الجھ جاتے ہیں کہ اس ملازمت سے کوفت ہونے لگتی ہے۔ سو جاؤ۔ تم ان باتوں کو نہیں سمجھو گی۔" جیلر ایک گہری

سانس لے کر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

انجمن فلاحِ انسانیت کے دونوں ارکان یتیم خانے کی عمارت کے سامنے پہنچ گئے۔ عمارت کو دیکھ کر انہوں نے گہری سانس لی تھی۔

"بھائی مکرم" ان میں سے ایک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بھائی مقدم" دوسرا بولا۔

"عمارت دیکھ رہے ہو"؟

"ہاں کسی بڑے ملک کا سفارت خانہ معلوم ہوتی ہے"۔

"کیا اپنے وطن میں کسی یتیم خانے کے لئے ایسی عمارت کا تصور کیا جاسکتا ہے"؟

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا"

"لیکن سوال پیدا ہو گیا ہے"

"تو اب کیا کریں"؟

"اپنا فرض پورا کریں۔ ہمارے تجربات میں اضافہ ہوگا"

"لیکن ہم ان کے لئے کیا سفارش کریں گے"۔

"پھر بھی معلوم تو کیا جائے کہ وہ کون نیک دل انسان ہے جس نے یتیموں کے لئے یہ جنت تعمیر کی ہے"

"آؤ" دوسرے نے کہا اور دونوں عمارت کے پھاٹک پر پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے پھاٹک کھولنے کی کوشش کی ذیلی دروازہ بند نہیں تھا۔ ذیلی دروازے سے دوسری طرف سبزہ زار تھا جس کی ترتیب حسین تھی۔ اس کے بعد عمارت کا صدر دروازہ نظر آیا شیشے کی طرح شفاف کہ

"مکرم"؟

"مقدم"!

"دیکھ رہے ہو"؟

"اللہ کی شان ہے"

"کیا واقعی یہ یتیم خانہ ہے"؟

"بورڈ تو لگا ہوا ہے باہر"

"کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی"؟

"بغور دیکھا ہے آؤ اللہ مالک ہے۔ اگر گڑبڑ ہوئی تو صاحب خانہ سے معافی مانگ لیں گے" دونوں ہمت کر کے آگے بڑھے اور عمارت کے صدر دروازے پر پہنچ گئے۔

"ارے کوئی ہے بھائی"؟ مقدم نے ڈری ڈری آواز آئی۔

"ہم انجمن فلاح و بہبود سے آئے ہیں"

"کیا ہم اندر آجائیں" مقدم دروازے کے دوسری طرف جھانک کر بولا۔ لیکن کوئی جواب نہیں ملا تب دونوں اندر داخل ہو گئے۔ لیکن دوسرے لمحے ان کی چیخ نکل گئی۔ چاروں سامنے کھڑے تھے۔ چاروں کے چاروں دیو قامت تھے ان کے جسموں پر سیاہ پتلونیں اور سیاہ دھاری دار بنیانیں تھے۔ چہروں سے وہ انتہائی خطرناک نظر آتے تھے۔ چاروں خونخوار نگاہوں سے انہیں گھور رہے تھے۔

دونوں کی حالت خراب ہو گئی۔

"فف۔ فلاح و بہبود۔ بھو۔ بھو۔ بھو" مقدم کی گھگھیائی ہوئی آواز ابھری۔

"تشریف لائیے جناب" سامنے کھڑے ہوئے لوگوں میں سے ایک کی آواز سنائی دی اور دونوں کو اس آواز پر یقین نہیں آیا۔ ایسے لوگ اس لہجے میں بھی بول سکتے ہیں"

"یتیم۔ یتیم۔ خخ" مکرم نے بھی کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"آپ دونوں یتیم ہیں"؟ دوسرا بولا۔ لہجہ اس کا بھی نرم تھا۔

"نن۔ نہیں" مقدم خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"پھر آپ میں سے کون یتیم ہے۔" اس نے سوال کیا۔

"یتیم۔ یتیم تو کوئی بھی نہیں ہے۔ بس ہم انجمن فلاح و بہبود سے آئے ہیں" مقدم نے جواب دیا۔

"کہاں سے آئے ہیں" اس شخص نے اس بار کسی قدر درشت لہجے میں پوچھا۔

"انجمن، فف۔ فف۔ فلاح بہبود" مقدم نے گھگھیاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اچھا اچھا۔ کیا چاہتے ہیں آپ لوگ۔" تیسرا آدمی آگے بڑھ آیا۔

"ہم۔ کیا۔ یہ۔ ہم۔ کیا واقعی یہ یتیم خانہ ہے" مکرم نے سوال کیا۔

"جی ہاں باہر آپ نے بورڈ دیکھا ہوگا"

"مم۔ میرا مطلب ہے یتیم خانہ کا متولی کون ہے"

"متولی صاحب اندر تشریف رکھتے ہیں"

"تب ہم انہی سے ملنا چاہتے ہیں"

"آئیے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا اور دوسرے وہیں رک گئے۔ اور ان دونوں کو ایک آدمی اشارہ کر کے آگے کی جانب لے چلا۔ مقدم نے مکرم کی جانب دیکھا اور دونوں لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اس شخص کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ ان کے ذہن میں بار بار ایک خیال آرہا تھا کہ آج پھنس گئے اور بُری طرح پھنس گئے، ممکن ہے اندر لے جا کر وہ لوگ ان کی دُرگت بنادیں۔ چنانچہ وہ دونوں بُری طرح بدحواس اور پریشان تھے۔ ان لوگوں کی ہیئت نے ان دونوں کو اور نروس کر دیا تھا، خوبصورت راہداری سے گزر کر وہ ایک دروازے تک پہنچ گئے۔

وہ شخص پہلے ہی رک گیا تھا۔ تب اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور خود ایک جانب ہو کر کھڑا ہو گیا، لیکن دونوں میں سے کسی کو اندر جانے کی جرأت نہیں ہوئی۔

"اندر تشریف لے جائیے جناب" اس شخص نے کہا، جواب نہیں

یہاں تک لا یا تھا لیکن نجانے کیوں ان دونوں کو اس کا یہ نرم لہجہ بھی خطرناک محسوس ہو رہا تھا۔
چند ساعت وہ دونوں ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہے اور اس کے بعد وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔
بڑا سا ہال نما کمرہ تھا جس کے ایک کونے میں ایک میز لگی ہوئی تھی دوسری جانب صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ہی کچھ کرسیاں تھیں۔ اور میز کے پیچھے پڑی ہوئی کرسی پر ایک خطرناک صورت آدمی بیٹھا ہوا تھا۔
وہ عربی لباس میں تھا لیکن سر پر عقال نہیں تھا۔ اس کا چہرہ کافی خوفناک معلوم ہوتا تھا۔ ان دونوں کے پیچھے پیچھے وہ شخص بھی آیا تھا، جو انہیں یہاں تک لایا تھا۔ پھر مکرم اور مقدم نے اس کی آواز سنی۔
”دو بے وقوف جناب۔“
”ٹھیک ہے چھوڑ جاؤ۔“ میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص نے کہا۔
مقدم اور مکرم اپنی جگہ کھڑے کانپ رہے تھے۔
”آگے آؤ۔“ اس شخص کی گونجدار آواز ابھری، اور دونوں اچھل پڑے۔ پھر وہ دونوں مشینی انداز میں آگے بڑھے تھے۔
”بیٹھ جاؤ۔“ اس نے کہا اور دونوں کھٹ سے کرسی پر بیٹھ گئے۔
ان کا تمام عمل مشینی ہو رہا تھا۔ ڈر کے مارے ان کی بُری حالت تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ آج اس مصیبت سے نکلنا مشکل ہی معلوم ہوتا تھا، وہ بیٹھ کر پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس خوفناک صورت والے شخص کی جانب دیکھ رہے تھے۔
خونخوار متولی نے اپنی نگاہیں ان پر جما دیں اور پھر اس کی پُر رعب آواز گونجی ”ہاں تم لوگ کس لئے آئے ہو اپنے آنے کا مطلب بیان کرو۔“؟
”وہ۔ جج۔ جناب کیا یہ یتیم خانہ ہی ہے۔“؟ مقدم نے سوال کیا۔
”کیا یہ تمہیں کافی ہاؤس نظر آ رہا ہے۔“ متولی دہاڑا۔
”یہ۔ یہ مطلب نہیں جناب۔ میرا میرا مطلب ہے۔“
”پہلے تم اپنے حواس درست کرو۔ اس کے بعد بتاؤ کہ تمہارا کیا مطلب ہے۔“ متولی کا لہجہ بہت کھردرا تھا۔
”جناب ہم انجمن فلاح و بہبود سے آئے ہیں ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس شہر میں پھیلے ہوئے یتیم خانوں کا سروے کریں اور ان کے بارے میں اوقاف کو رپورٹ دیں۔ ہم یتیم خانوں کی امداد کے لئے فنڈ بھی مہیا کرتے ہیں اور یہاں بھی ہم اسی غرض سے آئے تھے لیکن اس عمارت کو دیکھ کر ہمارے ہوش اڑ گئے۔ اتنا عمدہ یتیم خانہ تو پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا ہم اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔“
”ہوں۔“ متولی کی غراہٹ ابھری ”تو تم اسے فنڈ مہیا کرو گے۔“ اس نے سوال کیا۔
”ہاں۔ ہاں اگر ضرورت پیش آئی۔“
”دیکھو یہ یتیم خانہ خیراتی نہیں ہے اگر تم یتیم ہو تو یہاں داخل ہو جاؤ اور اگر یتیم نہیں ہو تو بس سیدھے سیدھے یہاں سے نکل جاؤ ورنہ ہم لوگ ہڈیاں بھی توڑ دیا کرتے ہیں۔“
”او وہ۔ او وہ وہ تو ٹھیک ہے جناب مگر۔ مگر۔“
”جاؤ بھاگ جاؤ۔“ متولی نے کہا اور مقدم اور مکرم کو ایسا محسوس ہوا جیسے انہیں رہائی کا پروانہ مل گیا ہو۔ وہ اس طرح پلٹ کر بھاگے کہ پہلے دروازے سے ٹکرائے پھر دوسرے کو کھول کر باہر نکل آئے۔ لیکن راہداری کے اختتام پر وہی چاروں کھڑے تھے انہیں اس طرح بھاگتے دیکھ کر وہ چاروں لپکے اور انہوں نے مقدم اور مکرم کے گریبان پکڑ لئے۔
”ارے باپ رے۔ ارے۔ ارے۔“ مقدم گڑگڑانے لگا۔
”کہاں بھاگ رہے ہو۔“؟ ان میں سے ایک نے سوال کیا۔
”بھاگ۔ بھاگ نہیں رہے جا رہے ہیں۔“
”اس طرح جاتے ہیں۔“ وہ شخص دہاڑا۔
”تم پوچھ لو معلوم کر لو متولی صاحب نے کہا ہے کہ ہم دونوں بھاگ جائیں سو ہم بھاگ رہے ہیں۔“
”او وہ متولی صاحب نے کہا ہے۔“؟ ان میں سے ایک نے کہا۔
”ہاں۔ بالکل معلوم کر لو۔“
”تو پھر بھاگو۔“ انہوں نے انہیں جھٹکا دیا اور دونوں گرتے گرتے بچے۔ دروازے سے باہر نکل کر شاید انہوں نے سکون کی سانس لی تھی لیکن وہ یہاں سے باہر نکل کر بھی اسی طرح دوڑتے رہے۔ آج وہ جس مصیبت میں پھنسے تھے اس میں شاید کبھی نہ پھنسے ہوں گے
دوسری جانب متولی اپنی میز پر بیٹھا ہوا کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا چند ساعت کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس ہال نما کمرے سے باہر نکل آیا۔ اب اس کا رخ ایک اندرونی کمرے کی جانب تھا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس اندرونی کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے آواز سنائی دی ”آ جاؤ۔“ اور متولی اندر داخل ہو گیا۔ سامنے ہی ایک بڑی کرسی کے پیچھے شیر خان بیٹھا ہوا تھا۔ نوجوان شیر خان نے مسکراتے ہوئے متولی کا چہرہ دیکھا اور کہنے لگا ”آؤ فضل خان کیا بات ہے۔“؟
”بس یار اس یتیم خانے میں رہ کر تو اپنا دماغ بالکل ہی خراب ہو گیا ہے۔“
”کیا ہوا فضل خان۔“؟ شیر خان نے پوچھا۔
”کیا یہ ممکن نہیں ہے شیر خان کہ تم اسے یتیم خانے کے بجائے پاگل خانہ بنا دو۔“ فضل خان ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔
”کیا تمہیں یہ جگہ پاگل خانے سے مختلف معلوم ہوتی ہے۔“ شیر خان نے سوال کیا۔
”تب پھر اسے یتیم خانہ کم پاگل خانہ کہا جائے تو کیا حرج ہے۔“

"دیکھنے کو جو دل چاہے کہہ لو مقصد تو ہر حال میں پورا ہو رہا ہے" شبیر خان نے کہا اور فضل خان گہری گہری سانسیں لینے لگا اور پھر بولا۔

"ابھی ابھی دو بیوقوف آئے تھے"

"کیا مطلب"؟

"کسی انجمن فلاح و بہبود سے آئے تھے ہمارے یتیم خانے کے لئے نقد چندہ مہیا کرنا چاہتے تھے"

"اوہ اچھا پھر تم نے کیا کہا"

"بھگا دیا بلکہ خود ہی بھاگ گئے۔ ظاہر ہے یہاں کے ماحول میں کون ٹک سکتا ہے" فضل خان ہنستا ہوا بولا اور شبیر خان بھی ہنسنے لگا۔ تھوڑی دیر تک وہ دونوں انجمن فلاح و بہبود سے آنے والوں کے بارے میں بات کرتے رہے پھر شبیر خان چونک کر بولا "میں نے تم سے ایک کام کو کہا تھا فضل خان"

"ہاں ہاں میں نے اسے انجام دیدیا ہے" فضل خان نے جواب دیا۔

"کیا مطلب"؟

"معلومات کرلی ہے تم محمد خان ہی کے بارے میں کہہ رہے تھے" فضل خان بولا۔

"کیا معلوم کیا تم نے"؟ شبیر خان نے پوچھا۔

"ہمارے مطلب کا آدمی ہے"

"کیا مطلب"؟

"مطلب یہ کہ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اسے پھانسی دی جائے"

"اوہ۔ تفصیلات کیا ہیں"؟

"تفصیلات یہ ہیں شبیر خان کہ وہ ایک زمیندار کا بیٹا ہے ایک چھوٹے سے علاقے کا مالک لیکن اس علاقے سے کچھ فاصلے پر ایک بڑے زمیندار نے اس کی زمینوں پر قبضہ کرنے کے لئے اس کے باپ کو قتل کرادیا۔ اور اس کے نتیجے میں اس نے اس بڑے زمیندار کو قتل کر دیا۔ ظاہر ہے بڑے زمیندار کا قتل زیادہ اہمیت رکھتا تھا چنانچہ اس کے نتیجے میں محمد خان کو گرفتار کرلیا گیا۔ کیس چلا اور اسے پھانسی کی سزا دیدی گئی"

"محمد خان کا قرب و جوار کیا ہے" شبیر خان نے پوچھا۔

"ایک بہن ہے جس کے بارے میں صحیح معلومات نہیں ہیں کہ وہ کہاں ہے باقی اور کسی کا پتہ نہیں چلتا"

"تو پھر کیا خیال ہے فضل خان"؟

"میں نے کہا نا کہ محمد خان ہمارے معیار پر پورا اترتا ہے۔ وہ کوئی عادی مجرم تو نہیں ہے لیکن قتل کر چکا ہے میرے خیال میں اسے پھانسی کی سزا نہیں ہونی چاہیئے"

"ہوں" شبیر خان پرخیال انداز میں بولا "پھانسی کب ہو رہی ہے فضل خان"؟

"پرسوں صبح سات بجے"

"کیا کر سکتے ہو اس سلسلے میں"؟ شبیر خان نے پوچھا۔

"جو شبیر خان کہے"

"لا سکتے ہو"؟

"کیوں نہیں" فضل خان نے جواب دیا۔

"لیکن فضل خان محمد خان کیونکہ عادی مجرم نہیں ہے اس لئے ہم اس کی زندگی بچانے کے بعد اس کی کیا اصلاح کریں گے دوسری بات یہ کہ اگر اسے جیل سے فرار کرایا گیا تو ایک اور مشکل پیش آئے گی"

"وہ کیا"؟ فضل خان نے پوچھا۔

"ظاہر ہے پولیس اس کے پیچھے ہوگی اور محمد خان اپنی پسند کی زندگی نہیں گزار سکے گا اسے مجرموں ہی کی طرح پوشیدہ رہنا پڑے گا"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے شبیر خان ویسے بھی محمد خان کا وہ روپ ختم ہو جائے گا اسے چاہیئے کہ کسی دوسرے روپ میں اب زندگی بسر کرے"

"لیکن میں کچھ اور سوچ رہا ہوں"

"وہ کیا"؟

"پولیس کی نگاہوں میں بظاہر محمد خان کو پھانسی ہو جانی چاہیئے"

"میں نہیں سمجھا" فضل خان متحیرانہ لہجے میں بولا۔

"مطلب یہ کہ میں نہیں چاہتا کہ بعد میں پولیس محمد خان کو پریشان کرتی پھرے وہ جیل سے فرار ہوگا تو پولیس کو اس کی تلاش رہے گی اور محمد خان بھی ہمیشہ سوچتا رہے گا کہ وہ ایک اچھے شہری کی زندگی نہیں بسر کرسکتا"

"تو پھر اس سلسلے میں کیا کرو گے"؟ فضل خان نے پوچھا۔

"کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا فضل خان تم ایک کام اور کرسکتے ہو تو کرو"

"ہاں ہاں بھائی بولو فضل خان ہر ایک کام کرے گا اس یتیم خانے کا متولی بننے کے بعد تو فضل خان کو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے اس نے ساری زندگی کسی نہ کسی یتیم خانے یا پاگل خانے میں گزاری ہو"

"کام یہ ہے فضل خان کہ تم صرف یہ معلوم کرو کہ پھانسی کے وقت کون کون اس جگہ موجود ہوگا مجھے ان لوگوں کی ایک فہرست چاہیئے"

"مل جائے گی" فضل خان نے جواب دیا۔ اور پھر چونک کر شبیر خان کی صورت دیکھ کر بولا "لیکن کرو گے کیا"؟

"انہی میں سے کسی آدمی کا انتخاب" شبیر خان نے جواب دیا۔

"اس سے کیا ہوگا"؟

"بھئی میں اس جگہ موجود رہنا چاہتا ہوں جہاں پھانسی دی جائے"

"اوہ سمجھا" فضل خان بولا اور پھر عجیب سی نگاہوں سے شبیر خان کو دیکھنے لگا پھر اس نے زور سے گردن جھٹکی اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

"کیوں کیا بات ہے فضل خان"؟

"کچھ نہیں یار میں اس وقت کے بارے میں سوچ رہا ہوں جب جیل میں ایک سیدھا سا آدمی گنتی میں کھڑا ہوا تھا میں نے اسے دیکھا اور اس پر رحم کھا کر اسے اپنے پاس بلایا لیکن بعد میں وہ آدمی کیا نکلا شبیر خان اگر میں یہ کہوں کہ اس ملک پر نہ سہی اس شہر پر اصل حکومت تمہاری ہے تو غلط نہیں ہوگا"

"ابھی نہیں فضل خان۔ ابھی سے اتنی بڑی بات مت کرو۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے" شبیر خان ہنس کر بولا۔

"جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ کم نہیں ہے شبیر خان" فضل خان کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے یا

"محبت ہے تمہاری۔ بس اب جاؤ اور میرا کام کر دو" شبیر خان نے کہا اور فضل خان باہر نکل گیا۔!

محمد خان کی نگاہیں کال کوٹھری سے بہت دور سامنے کی دیوار کے ایک روشندان کو دیکھ رہی تھیں، سورج، زندگی اور ہماہمی کا پیغامبر ہوتا ہے، لیکن کسی چیز پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا ناپائیدار ہے اور اس دنیا کی کسی چیز پر تکیہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ہر چیز کا تعین کرتے ہیں لیکن یوں لگتا ہے جیسے کسی بھی ایک چیز کا رخ نہ ہو۔ سورج کی پہلی کرن جہاں امنگوں اور روشنی کی پیامبر ہوتی ہے وہیں وہ موت کی پیامبر بن جاتی ہے۔ محمد خان جیسے آدمی کے لئے سورج کی پہلی کرن موت کی پیامبر ہی ہونے والی تھی اور کال کوٹھری کی دیوار کے اس جانب تاریک روشن دان سے وہ سورج کی کرنوں کی آمد کا انتظار کر رہا تھا وہ کرنیں جو اس کے لئے موت کی کرنیں ہی ثابت ہوں گی۔ سورج کی ان کرنوں کے ساتھ اس کی زندگی ہمیشہ کے لئے تاریک ہو جائے گی یہ اس کی سانسوں کا اختتام ہوگا۔ یہ چند سانسیں آخری سانسیں ہیں۔ آخری سانسیں۔

لیکن اب اس کے ذہن میں کوئی تردد نہیں تھا۔ ہزار ہا اقوال اس کے ذہن میں آ رہے تھے۔ موت کا ایک دن معین ہے لیکن اس دن کے بارے میں کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا یہ نظریہ کھلی جھوٹ ثابت ہو رہا ہے۔ ہاں مفکروں کی یہ سوچ یہاں آ کر کیوں جھوٹی ہو جاتی ہے کیا ان کی نگاہیں زندگی کے اس رخ کو نہیں دیکھ سکی تھیں۔

محمد خان کو علم تھا کہ اس کی موت ٹھیک سات بجے آ جائے گی اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ کیسی عجیب بات ہے کہ وہ اپنی موت سے واقف ہے نہ صرف وہ بلکہ بے شمار لوگ جانتے ہیں کہ وہ سات بجے ا[illegible] دنیا میں نہیں ہوگا۔ نہ سہی کیا فرق پڑتا ہے ایک دن تو یہاں سے جانا ہی تھا اس نیک دل جیلر نے البتہ اس پر جانکنی کا عالم طاری نہیں [illegible]

دیا تھا اگر موت سے کوئی خوف تھا تو صرف یہ کہ اس کے بعد اس کی بہن لاوارث ہو کر رہ جائے گی وہ جیل ہی میں تھا لیکن زندہ تھا لوگ یہ کہہ سکتے تھے کہ اس بہن کا ایک بھائی بھی ہے اور بہنوں کے لئے بھائی کا نام ہی تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ محمد خان یہی سوچ رہا تھا کہ اس کی موت کے بعد اس کی بہن کا بھروسہ ختم ہو جائے گا لیکن جیلر نے اس کے ذہن سے یہ خلش مٹا دی تھی۔ نیک دل انسان کی آواز اس کے خلوص کا یقین دلاتی ہے جیلر نے اس سے کہا تھا کہ اس کے بعد محمد خان اس کی اپنی ذات میں زندہ رہے گا۔ اور کم از کم اس کی بہن کو کوئی تکلیف نہیں ہونے پائے گی اور یہ احساس محمد خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بن جاتا تھا اور اب وہ موت کی جانب سے اتنا فکر مند نہیں تھا سورج کی پہلی کرن دیوار کے تاریک غار کو روشن کرنے لگی اور محمد خان نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ذہن میں عجیب سی آوازیں گونج رہی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ اب اس کا ہر قدم موت کی جانب بڑھے گا اور جب کال کوٹھری کا دروازہ کھلا تو محمد خان کے دل کی دھڑکنیں اور تیز ہو گئیں۔ کچھ بھی تھا موت کی جانب بڑھنے والا احساس بڑا عجیب ہوتا ہے۔ اسے لے جانے والے نہ جانے کیا کیا گفتگو کر رہے تھے محمد خان کے کانوں میں وہی عجیب وغریب آوازیں گونج رہی تھیں اور اسے ان لوگوں کی باتیں سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں پھر جب اسے اس جگہ لے جایا گیا جہاں پھانسی کا پھندا نظر آ رہا تھا تب بھی محمد خان نے اجنبی اجنبی نگاہوں سے اس ماحول کو دیکھا ہاں جب اس کے ہاتھ اوپر کس دیئے گئے اور پاؤں نیچے باندھ دیئے گئے تو وہ خیالات سے چونکا۔ کوئی اس سے کہہ رہا تھا "محمد خان کلمہ پڑھو" اور اس نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ سات بجنے میں صرف تین منٹ باقی رہ گئے تھے۔ جیلر ڈاکٹر اور وہ شخص جسے پھانسی لگانے کا فرض انجام دینا تھا سامنے ہی موجود تھے۔ یہ سب کے سب اسے موت کے راستے پر لائے تھے اور اب ہمدردی کا اظہار کر رہے تھے۔

"تمہارے ذہن میں کوئی خواہش ہے محمد خان" کسی نے سوال کیا لیکن اس سوال نے اس کے ذہن میں کوئی تحریک نہیں پیدا کی وہ سپاٹ نگاہوں سے اس پورے ماحول کو دیکھ رہا تھا اور اس کے سینے سے صرف ایک ہی آواز نکل رہی تھی۔

محمد خان بہ آواز بلند کلمہ پڑھتا رہا۔ اس کی آنکھیں زندہ رہنے والوں کو دیکھ رہی تھیں۔ تب اچانک جیل کا ڈاکٹر آگے بڑھا اور اس نے محمد خان کا جائزہ لیا۔ پھر وہ جلاد کی طرف رخ کر کے بولا۔

"تم۔ اسے پھانسی دے چکے ہو۔ کیوں کیا تم اسے پھانسی دے چکے ہو"

جلاد نے چونک کر ڈاکٹر کی جانب دیکھا اور اچانک اس کی آنکھوں کی روشنی ماند پڑ گئی۔ پھر وہ مشینی آواز میں بولا۔

"ہاں۔ میں اسے پھانسی دے چکا ہوں"
"تب ان کاغذات پر دستخط کر دو" ڈاکٹر نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا فائل کھولا اور ایک ورق جلاد کے سامنے کر دیا۔
"میں انگوٹھا لگاؤں گا جناب"
"اوہ۔ اچھا چلو انگوٹھا لگا دو" ڈاکٹر بولا۔ اور اسی وقت جیلر اور مجسٹریٹ آگے بڑھ آئے۔
"آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر صاحب۔ ابھی تو"
"ہاں تو آپ لوگ دیکھیں پھانسی تو ہو چکی ہے" ڈاکٹر نے باری باری ان لوگوں کی آنکھوں میں دیکھا۔ دونوں تعجب سے ڈاکٹر کو دیکھنے لگے لیکن دوسرے لمحے ان کے ذہن بھی کھونے لگے۔ کوئی قوت ان کے ذہن پر حاوی ہوتی جا رہی تھی "کیا خیال ہے جیلر صاحب، پھانسی ہو گئی ہے"؟
"ہاں۔ پھانسی ہو چکی ہے" جیلر کی بھرائی ہوئی آواز گونجی
"آپ کیا کہتے ہیں جناب" اس نے مجسٹریٹ کی جانب دیکھا۔
"پھانسی ہو چکی ہے"
"براہ کرم تصدیق کر دیں" ڈاکٹر نے محمد خان کا فائل پہلے جیلر کی طرف بڑھا دیا اور جیلر نے دستخط کر دیئے۔ اس کے بعد مجسٹریٹ نے۔
"اس لاوارث لاش کے لئے کیا بندوبست ہے جیلر صاحب" ڈاکٹر صاحب نے پوچھا۔
"اس کے کفن دفن کی ذمہ داری میں نے خود لی ہے کیونکہ یہ شخص میرے گھر کام کر چکا ہے مجھے اس سے انسیت تھی"
"خوب۔ آپ اچھے انسان ہیں لیکن اتفاق سے اس کا ایک عزیز یہ کام کرنے کا خواہشمند ہے۔ باہر سیاہ رنگ کی ایک وین کھڑی ہے آپ اس کی لاش اس وین میں رکھوا دیں۔ اپنے آدمیوں کو بلا لائیں"
"ٹھیک ہے" جیلر نے کہا اور باہر نکل گیا۔
بے چارہ محمد خان پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ ڈرامہ دیکھ رہا تھا اسے سب کچھ بہت عجیب لگ رہا تھا۔
وہ زندہ سلامت کھڑا ہوا تھا اور یہ لوگ اس کی موت کی تصدیق کر رہے تھے۔ ڈاکٹر کا یہ انداز اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا تھا تب ڈاکٹر اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔
"کیا خیال ہے محمد خان کیا تم مر چکے ہو"؟ ڈاکٹر نے اس سے سوال کیا لیکن محمد خان عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔
"میرا خیال ہے محمد خان تم تھوڑی دیر کے لئے مر ہی جاؤ تاکہ یہ لوگ تمہاری لاش کو اٹھا کر یہاں سے لے جائیں"
"آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا" محمد خان پریشان لہجے میں بولا۔
"اوہو شاید تمہیں اپنی موت کا یقین نہیں آ رہا ہے میری طرف دیکھو میری آنکھوں میں دیکھو اور بتاؤ کیا تم مر چکے ہو" محمد خان نے ڈاکٹر کی جانب دیکھا دفعتاً اسے اپنے ذہن میں ایک پراسرار سی سرگوشی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی اور پھر چند ساعت کے بعد اس کی آواز آہستہ آہستہ ابھری۔
"میں تو مر چکا ہوں"
"بس بس میں یہی چاہتا تھا کہ تم تھوڑی دیر کے لئے مر جاؤ ٹھہرو پہلے میں تمہارے ہاتھ پاؤں اور کھول دوں" ڈاکٹر نے کہا اور پھر جلاد کی جانب دیکھ کر بولا "بلکہ یہ کام تم انجام دو بیک دوست ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں تو تم ہی کھولتے ہو نا جو مر جاتے ہیں" اس نے جلاد سے کہا اور جلاد نے تعمیل حکم میں گردن جھکا دی۔ چند ساعت کے بعد اس نے محمد خان کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے تھے اور محمد خان آہستہ آہستہ زمین پر لیٹ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں تھیں پھر ڈاکٹر نے ایک کپڑا اس کے بدن پر ڈال دیا اور ان لوگوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا جو لاش کو اٹھانے کے لئے آنے والے تھے۔ چار افراد تھے جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے اور انہوں نے ایک اسٹریچر سنبھالا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے بڑی خاموشی سے اسٹریچر زمین پر رکھا اور محمد خان کی لاش کو اٹھا کر اس پر ڈال دیا جیلر ان کے ساتھ ہی ساتھ باہر نکل گیا تھا تب ڈاکٹر نے یہاں موجود تمام آدمیوں کو دیکھا اور مسکراتا ہوا بولا "یہ فائل میں جیلر صاحب کو دے دوں گا مجھے اجازت دیجئے" کسی نے کوئی جواب نہیں دیا اور ڈاکٹر باہر نکل گیا۔ جیل کے مخصوص راستوں سے گزرتا ہوا وہ گیٹ تک آیا گیٹ سے تھوڑے ہی فاصلے پر سیاہ رنگ کی وین کھڑی ہوئی تھی اور اس میں لاش رکھ دی گئی تھی جیلر وہاں موجود تھا۔ ڈاکٹر نے وہ فائل جیلر کے سپرد کرتے ہوئے کہا "اس پر میں نے اپنے دستخط بھی کر دیئے ہیں آپ یہ فائل رکھیں"
"بہت بہتر" جیلر نے جواب دیا اور فائل لے کر واپس پلٹ آیا۔
سیاہ وین اب بھی کھڑی ہوتی تھی جیلر کے اندر داخل ہونے کے بعد ڈاکٹر نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر سیاہ وین کے قریب پہنچ گیا۔ دوسرے لمحے وین کے اگلے حصے کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر ڈرائیور کے نزدیک بیٹھ گیا۔ "چلو انتہائی پھرتی کے ساتھ چلو" اس نے کہا اور دوسرے آدمی نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ ڈاکٹر نے کئی بار پلٹ کر پیچھے دیکھا تھا لیکن کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ کار برق رفتاری سے اپنا سفر کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ڈرائیور نے ڈاکٹر کی جانب دیکھا اور بولا "اب یہ خول اتار دو شیر خان تمہاری شکل بڑی مضحکہ خیز لگ رہی ہے"
"اچھا تو یہ لو" ڈاکٹر نے کہا اور پھر اس نے اپنی گردن کے قریب کوئی چیز ٹٹولی۔ دوسرے لمحے اس کے چہرے پر سے ایک جھلی سی اتر گئی تھی اور اب شیر خان کا اصل چہرہ فضل خان کے سامنے تھا۔ تھوڑی دیر میں شیر خان اس کے سامنے بیٹھا تھا فضل خان نے ایک گہری سانس لی

اور بولا۔ "تو تم ایسے ہی آئے۔"

"ہاں فضل خان کیا تمہیں میری کارکردگی پر شبہ تھا۔" شیر خان نے پوچھا۔

"اوئے نہیں یار تیرے اوپر شبہ کرنے والا کافر کون بیوقوف تیرے اوپر شبہ کرے گا مگر تو جس طرح حالات اپنے قبضے میں کر لیتا ہے یہ اپنی سمجھ میں آج تک نہیں آیا اور کبھی نہیں آئے گا۔"

"کام ہو جاتا ہے فضل خان صرف اس کے علاوہ اور کیا چاہیئے آخر ہم لوگوں نے یہاں کا ٹھیکہ لیا ہے اس کے لئے تو کچھ نہ کچھ ہمارے پاس ہونا چاہیئے۔"

"ہمارے پاس تو بہت کچھ ہے شیر خان۔" فضل خان سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک دن وہ ایسے عجیب و غریب حالات سے گزرے گا مگر ایک بات تو بتاؤ کیا جیل میں سارے لوگ سو گئے تھے۔"؟

"کیوں۔"؟ شیر خان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کسی نے تم سے یہ بات نہیں پوچھی کہ تم اسے کہاں لئے جا رہے ہو اور میرا خیال ہے جیلر اس طرح تمہارا استقبال کر رہا تھا جیسے تم اس کے افسر ہو۔"

"ہاں بس وہ اپنا دوست بن گیا ہے۔" شیر خان مسکراتا ہوا بولا۔

"میں تو تھوڑا سا پریشان ہو گیا تھا جب وہ میرے پاس آیا کہ کہیں وہ مجھے پہچان ہی نہ لے۔"

"نہیں فضل خان اب تمہیں آسانی سے نہیں پہچانا جا سکتا تمہارے اندر بڑی تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔"

"ہاں وہ تو میں بھی محسوس کرتا ہوں مگر یار تھوڑی سی تفصیل تو بتاؤ۔"

"کیا تفصیل پوچھنا چاہتے ہو فضل خان۔"؟

"میرا مقصد یہ ہے کہ پھانسی دینے کی رسومات تو پوری کی ہی گئی ہوں گی اور یہ بیوقوف کیا بیہوش ہے۔"؟

"محمد خان کی بات کر رہے ہو۔"؟

"ہاں۔"

"وہ مر چکا ہے۔"

"کیا مطلب۔"؟ فضل خان اچھل پڑا۔

"تھوڑی دیر کے لئے وہ اپنے آپ کو مردہ ہی محسوس کر رہا ہے اور جب تک ہم اسے زندہ رہنے کے لئے نہیں کہیں گے وہ نہیں ہوگا۔"

"تم بہت عجیب ہو۔" فضل خان گردن جھٹکتا ہوا بولا پھر کہنے لگا۔ "بات وہیں آ گئی میرا مطلب ہے جیل کی رسومات، کیا اس کی موت کی تصدیق ہو گئی۔"؟

"ہاں فائل پر مجسٹریٹ، جیلر، ڈاکٹر اور اس جلاد کے دستخط بھی موجود ہیں جو اسے پھانسی دینے میں شریک تھے۔"

"ڈاکٹر کے دستخط کہاں سے آ گئے وہ تو اپنے گھر میں گہری نیند سو رہا ہے۔" فضل خان نے کہا۔

"وہ گہری نیند سلانے سے پہلے اس کے دستخط اس فائل پر کرا لیے گئے تھے۔" شیر خان نے جواب دیا اور فضل خان گردن ہلانے لگا۔

"تیری باتیں اپنی سمجھ میں نہیں آئیں پھر سمجھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ اپنا یار جو کچھ کر رہا ہے ٹھیک کر رہا ہے اور یہ ہی کیا کم ہے کہ اس شہر پر اب اپنی حکمرانی ہے۔" فضل خان نے اکڑتے ہوئے انداز میں کہا اور نوجوان شیر خان ہنسنے لگا!

محمد خان کی آنکھ کھل گئی، موت کے بعد بھی کیا یہی مناظر نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں، اس نے سوچا۔ کمرہ تھا آرام دہ اور کمر کے نیچے بستر بھی موجود تھا، یہ سب تو زندگی کے لوازمات ہیں جنت اور دوزخ کا تصوّر تو کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ لیکن اگر موت کے بعد آدمی خود کو اتنا پرسکون محسوس کرے تو اس کا مقصد ہے کہ اس کا نام گناہ گاروں میں شامل نہیں تھا۔ یا پھر قبر کا حال۔ بزرگوں کا کہنا تھا کہ نیک انسانوں کی قبریں کشادہ ہوتی ہیں اور انہیں کسی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا محمد خان ان سارے احساسات میں ڈوبا رہا۔ لیکن جب آہستہ آہستہ اسے سارے واقعات یاد آئے تو وہ پریشان ہو گیا۔

جیل میں اسے پھانسی کے تختے تک لے جایا گیا تھا۔ ڈاکٹر نے عجیب و غریب باتیں کی تھیں اور بس اس کے بعد اس نے سوچا۔ لوگ تو بلاوجہ پھانسی سے ڈرتے ہیں یہ تو کوئی تکلیف دہ چیز نہیں ہوتی آدمی بلاوجہ کسی تکلیف اور بغیر کسی احساس کے مر جاتا ہے، پھر جب وہ شخص اس کی قبر میں داخل ہوا تو محمد خان چونک پڑا۔

یہ بظاہر تو فرشتہ نہیں معلوم ہوتا۔ عام انسانوں کا سا لباس پہنے ہوئے ہے اور عام سی شکل ہے جو عام طور سے دیکھنے میں آ جاتی ہے محمد خان بغور اس کی شکل دیکھتا رہا اور وہ شخص محمد خان کے بستر تک پہنچ گیا۔ پھر وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"کیا تم ہوش میں آ گئے محمد خان۔" اس شخص نے نرم لہجے میں سوال کیا اور محمد خان چونک پڑا۔

"ہوش۔ کیا موت کے بعد کی زندگی میں بھی ہوش و حواس کا دخل ہوتا ہے۔" اس نے سوال کیا۔

"کیا مطلب۔"؟ وہ شخص چونک کر بولا۔

"تم کون ہو بھائی۔" محمد خان نے پوچھا۔

"عبدالودود۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"فرشتے ہو۔"

"کیا کہہ رہے ہو یار۔" عبدالودود عجیب سے لہجے میں بولا۔

"تو تم فرشتے نہیں ہو۔"

"جی نہیں، فرشتے تو آپ ہیں، میں تو صرف یہ معلوم کرنے کے لئے

آیا تھا کہ تم جاگ گئے ہو یا نہیں۔" نوجوان واپس مڑتا ہوا بولا اور محمد خان نے اسے آواز دی۔

"سنو تو سہی، سنو بھائی، براہ کرم ایک بات سن جاؤ۔" اور وہ شخص رک گیا۔

"یہ جنت ہے یا دوزخ؟" محمد خان نے سوال کیا اور وہ جھلائے ہوئے انداز میں محمد خان کی شکل دیکھنے لگا۔

"میرا تمہارا مذاق کا کوئی رشتہ ہے؟" اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"توبہ توبہ کیا میں فرشتوں سے مذاق کر سکتا ہوں۔" محمد خان نے جواب دیا۔

"اگر اب کی بار تم نے مجھے فرشتہ کہا تو اچھا نہیں ہوگا۔ وہ شخص گھونسہ دکھا کر بولا اور محمد خان حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔ یہ کیسا فرشتہ تھا۔"

"تو کیا تم فرشتے نہیں ہو؟" محمد خان نے حیرت سے پوچھا۔

"ارے نہیں بھائی نہیں۔" عبدالودود چلایا اور محمد خان کی سمجھ میں نہ آنے والا فرشتہ باہر نکل آیا۔ لیکن اس بار اندر آنے والوں کی تعداد دو تھی اور یہ وہ نہیں تھے جو پہلے آئے تھے۔ ان میں ایک خوبصورت سا نوجوان آدمی تھا۔ دوسرا ایک قوی ہیکل جثہ والا شخص تھا۔ غالباً یہ منکر نکیر ہیں محمد خان نے سوچا اور پھر وہ یہ اندازہ کرنے لگا کہ ان میں منکر کون ہے اور نکیر کون، وہ دونوں اس کے نزدیک پہنچ گئے۔

"اٹھ جاؤ محمد خان۔ قوی ہیکل شخص بولا اور محمد خان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے قبر کے عذاب سے بڑی وحشت ہو رہی تھی اور اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔

"کیا بات ہے محمد خان، پریشان کیوں ہو؟" قوی ہیکل جثہ والے شخص نے سوال کیا۔

"میرا نامۂ اعمال زیادہ اچھا نہیں ہے۔" محمد خان مردہ لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب؟"

"میں قاتل ہوں، میں نے ایک انسانی زندگی ختم کی ہے۔"

"اوہ۔ لیکن اس وقت تمہیں اس اعتراف کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" نوجوان نے پوچھا۔

"ہاں تم فرشتے ہو، سب کچھ جانتے ہو گے لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جب فرشتے سب کچھ جانتے ہیں تو حساب کتاب کیوں لیا جاتا ہے؟" آنے والے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے اور پھر دفعتاً قوی ہیکل شخص کا قہقہہ گونج اٹھا۔

"اوہ محمد خان تم ہمیں کیا سمجھ رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"منکر نکیر۔" محمد خان نے ایسے جواب دیا جیسے اسے پہچان جانے پر بہت خوش ہوا اور اپنی ذہانت کا اظہار کرنا چاہتا ہو، لیکن قوی ہیکل شخص

کاگھن گرج قہقہہ بڑی زور سے گونجا تھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی نوجوان کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

" واہ بھائی نکیر یا منکر۔ یار یہ فیصلہ کر لو کہ ہم میں سے منکر کون ہے اور نکیر کون ہے۔"

" مذاق مت کرو فضل خان وہ بیچارہ خود کو مردہ سمجھ رہا ہے۔ مجھے بہت دکھ ہے۔" دوسرے نوجوان شخص نے کہا اور محمد خان تعجب سے اچھل پڑا۔ اس شخص نے جو نوجوان تھا دوسرے آدمی کا نام فضل خان لیا تھا اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ منکر نکیر نہیں ہیں۔ تب فضل خان اپنے ذہن کو دوبارہ مجتمع کرنے لگا۔ اور پھر اس نے بڑی بے چارگی سے پوچھا۔

" بھائیو خدا کے لئے مجھے اپنے بارے میں بتا دو۔ میں تو سخت پریشان ہوں۔"

" پہلے ایک بات بتاؤ محمد خان۔"

" پوچھو۔"

" کیا تم خود کو مُردہ سمجھ رہے ہو۔"

" دوسری بات تم مجھے بتا دو، کیا میں زندہ ہوں۔"

" ہاں ظاہر ہے، کیا تمہیں گزرے ہوئے واقعات یاد نہیں ہیں۔ تمہیں پھانسی کے پھندے سے بچا لیا گیا تھا۔"

" بچا لیا گیا تھا۔" محمد خان حیرت سے اچھل پڑا۔

" ہاں۔"

" مگر کس طرح۔"

" ان ساری باتوں کو چھوڑو۔ یہ تمہیں آہستہ آہستہ معلوم ہو جائیں گی۔ فی الوقت تم یہ بتاؤ کہ تم خود کو کیسا محسوس کر رہے ہو، کیا تم ٹھیک ہو، یا کسی سلسلے میں پریشان۔"

" نہیں بھائی، میں اب کسی سلسلے میں پریشان نہیں ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میری پریشانی کا ایک ایسا حل نکل آیا ہے کہ اب تو مجھے زندگی یا موت سے کوئی خوف ہی نہیں ہے۔"

" کیا مطلب۔"؟

" خدا اس نیک دل جبلر کو تاقیامت خوش رکھے اس نے میرے سینے سے منوں وزنی بوجھ اٹھا لیا تھا۔"

" جبلر کی بات کر رہے ہو۔" نوجوان چونک کر بولا۔

" ہاں وہ جبلر۔ میں اس کا احسان کبھی نہیں بھول سکتا، محمد خان گہری سانس لے کر بولا۔

" کیسا احسان۔ ہمیں بھی کچھ تفصیل بتاؤ۔" نوجوان نے کہا لیکن اس کے ساتھ ہی محمد خان چونک پڑا۔

" مگر دوستو تم کون ہو اور میں پھانسی کے تختے سے یہاں تک کیسے پہنچ گیا۔ یہ تو بڑی انوکھی بات ہے، شاید ہی اس سے قبل ایسا کبھی ہوا ہو، براہ کرم مجھے اپنے بارے میں تو بتاؤ۔"؟

" بس محمد خان ہم نے تمہاری جان بچانے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہو گئے۔ ہم تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں بے لوث اور بے غرض۔"

محمد خان تعجب سے انہیں دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔ تب اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

" سنجانے کیوں میں نے تو ایسا کوئی کام نہیں کیا، میں نے تو ایسی کوئی نیکی نہیں کی۔ اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ چند ساعت وہ اسی طرح خاموش رہا پھر بولا۔ " خدا میری مدد پر آمادہ ہو گیا ہے۔ حالانکہ آپ لوگ یقین کریں کہ مجھے اب اس زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا فرض پورا ہو چکا ہے صرف بہن کی بات تھی تو جبلر اس کا سہارا بن گیا ہے۔"

" اوہ۔ تمہاری کوئی بہن بھی ہے۔"

" ہاں۔"

" مناسب سمجھو محمد خان تو ہمیں اپنی کہانی سناؤ۔"

" بڑی مختصر کہانی ہے۔"

" سنانا پسند کرو گے۔"

" ہاں ضرور، ظلم کا شکار ہوں، بدلہ لیا تو موت کے پھندے تک پہنچ گیا، محمد خان نے کہا اور پھر مختصراً اس نے اپنی وہی کہانی دہرا دی جو اس نے جبلر کو سنائی تھی۔ دونوں متاثر نظر آ رہے تھے۔ پھر قوی ہیکل شخص بولا۔

" محمد خان میرا نام فضل خان ہے اور یہ شبیر خان ہے۔ ہم لوگ یوں سمجھ لو ایک طرح سے خدائی فوجدار ہیں، ہر وہ کام کرتے ہیں جنہیں دوسرے نہیں کر پاتے ہم نے اپنی ایک عدالت ترتیب دی ہے اور اس عدالت میں ہم فیصلے کرتے ہیں۔ ہم دوسروں کے فیصلوں کو نہیں مانتے قانون نے تمہیں پھانسی کا حکم سنایا تھا لیکن ہماری عدالت نے تمہیں بری کر دیا اور بالآخر ہم تمہیں وہاں سے نکال لائے تمہاری یہ کہانی ہماری عدالت میں پیش ہو گی اور بالآخر اس کے بعد یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ تمہارے ساتھ آئندہ کیا سلوک ہونا چاہیئے۔"

محمد خان تعجب خیز نگاہوں سے ان دونوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا پھر وہ کہنے لگا۔ " اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔"

" ہاں ہاں ضرور۔"

" لیکن جناب آپ یقین کریں میں اب بھی کچھ نہیں سمجھ سکا کہ آپ کی عدالت، آپ کی حکمرانی، اور آپ کون ہیں۔"؟

" یوں سمجھو ہم زیر زمین حکمران ہیں۔ زمین کے اوپر جو فیصلے ہوتے ہیں زمین کے نیچے ہم ان کا تجزیہ کرتے ہیں اور پھر اپنے طور پر یہ سوچتے ہیں کہ کون فیصلہ درست ہے چنانچہ محمد خان تم یہاں آرام کرو، تمہاری بہن کے بارے میں ہمیں تفصیلات درکار ہوں گی اگر تم چاہو گے تو ہم اسے کوشش کر کے تمہارے پاس پہنچا دیں گے۔ اور اگر تم نہیں چاہو

گے تو جو کچھ تم نے اس کے بارے میں فیصلہ کیا ہے، وہی مناسب ہے۔"
"دو کیا۔ کیا میری بہن ایک بار پھر سے سامنے آ سکتی ہے؟" محمد خان نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔
"سب کچھ ہو سکتا ہے محمد خان، سب کچھ ہو سکتا ہے۔" شیر خان نے جواب دیا۔
"اگر ایسا ہو جائے تو میں آپ لوگوں کا احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔" محمد خان نے جذباتی لہجے میں کہا۔
"بس بس ٹھیک ہے۔ تمہارے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا تھیں معلوم کر لی گئیں، اب زیر زمین حکومت تمہارے لئے کام کرے گی۔" فضل خان نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر تک وہ محمد خان کے پاس بیٹھا رہا اور پھر وہاں سے اٹھ آیا۔ چند ساعت کے بعد وہ ایک کمرے میں تھے اور شیر خان کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔
"کیا بات ہے شیر خان تمہارے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ہے کیا سوچ رہے ہو۔"
"فضل خان تم نے ایک بڑا اچھا آئیڈیا پیش کیا ہے۔ اتنا اچھا آئیڈیا کہ بس لطف آ گیا ہے۔ میں تو سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ تم اتنے عقلمند ہو گئے۔" شیر خان نے کہا۔
"کون سا آئیڈیا شیر خان، کیا فضل خان کو بھی خدا نے اتنی عقل دے دی ہے کہ وہ کوئی اچھا آئیڈیا پیش کر سکے۔"
"اب یہ تو خدا ہی جانے فضل خان لیکن جو کچھ تم نے آج کہا ہے وہ واقعی قابل قدر ہے۔"
"مگر کونسی بات، فضل خان کو بھی تو معلوم ہو۔"
"زیر زمین عدالت۔" نوجوان شیر خان نے کہا اور مسکراتی ہوئی نگاہوں سے فضل خان کو دیکھتا رہا۔ "واقعی فضل خان ایک ایسی عدالت ہونی چاہیئے۔ یہ کیا ہوا کہ زیر زمین ہماری حکمرانی ہے لیکن ہم نے اپنے محکمے قائم نہیں کئے۔ کیا اچھا آئیڈیا دیا ہے تم نے فضل خان، میرا خیال ہے ہمیں اس سلسلے میں کام شروع کر دینا چاہیئے۔"
"ضرور کر دینا چاہیئے۔" فضل خان نے عجیب سے لہجے میں کہا اور شیر خان ہنسنے لگا۔ پھر چند ساعت کے بعد فضل خان بولا۔
"تو پھر اس آدمی کے بارے میں کیا کرنا ہے۔ میری مراد محمد خان سے ہے۔" فضل خان نے کہا۔
"فضل خان اب اس کا فیصلہ تو زمین کے نیچے کی عدالت ہی کرے گی۔"
"جہاں صفر کی حکمرانی ہے۔" فضل خان مسکرا کر بولا۔
"اب جو کچھ بھی تم سمجھ لو، بہر صورت محمد خان کا فیصلہ اسی عدالت سے ہوگا اور آئندہ بھی یہ عدالت مختلف جرائم کے فیصلے کیا کرے گی، وہ فیصلے جو اوپر کی عدالتیں کیا کریں گی یہاں پر ان پر غور ہوا کریں گے اور اس کے بعد صحیح فیصلہ یہیں سے جاری کیا جائے گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور فضل خان بھی مسکرانے لگا۔

زیر زمین عدالت میں محمد خان کا مقدمہ پیش کیا گیا تھا۔ اب تک محمد خان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ سکی تھی کہ یہ کون لوگ ہیں ان کا تعلق حکومت کے کون سے محکمے سے ہے عجیب و غریب لوگ تھے۔ محمد خان کو اتنی مراعات دی گئی تھیں کہ وہ حیران رہ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ بے شمار سوالات اس سے کئے گئے۔ محمد خان نے ان کے جوابات دیئے تھے لیکن کوئی واضح مفہوم اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔ اس کی زندگی پوری طرح ان کی نگاہوں میں عریاں ہو گئی تھی۔ ویسے محمد خان نے ان کے سامنے کسی سلسلے میں بھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ ایسے لوگوں سے جھوٹ بولنے کو خود اپنا دل ہی گوارا نہیں کرتا۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ آخر اسے کن وجوہ کے تحت پھانسی کے پھندے سے اتار لیا گیا ہے اور وہ بھی عین اس وقت جبکہ اس کی پھانسی کو چند لمحات رہ گئے تھے۔ کوئی بات محمد خان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہر حال اسے اس عدالت میں پیش کیا گیا اور ان لوگوں کا انداز ایسا بھی نہیں تھا کہ محمد خان کو مجرم گردانتے ہوں۔ سب کے سب اس کے ساتھ بڑے اچھے انداز میں پیش آ رہے تھے۔ کوئی سختی نہیں تھی اور نہ ہی کوئی ایسی کیفیت جس سے محمد خان اپنی سُبکی محسوس کرتا۔
عدالت باقاعدہ لگی ہوئی تھی اور جج کی کرسی پر جو شخص بیٹھا ہوا تھا وہ ایک دبلا پتلا لیکن چہرے سے ذہین انسان معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھیں بیحد تیز تھیں۔ اس کے نزدیک دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وکیل وغیرہ بھی تھے جو باقاعدہ وکیلوں کے لباس میں تھے اور جج کے سامنے ایک فائل رکھا ہوا تھا۔
تب ایک وکیل نے جج کے سامنے کھڑے ہو کر تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔
"جناب والا! یہ وہ شخص ہے جو صرف اپنی شرافت کا شکار ہوا۔ یہ اور اس کا باپ ایک شریفانہ زندگی بسر کر رہے تھے لیکن ایک ظالم انسان نے اس کے خلاف کارروائی شروع کی اور پہلے اسے ذہنی اور جسمانی اذیتیں پہنچائی گئیں اور اس کے خاندان کو نیست و نابود کر دیا گیا۔"
جناب والا! کسی جھنجھلائے شخص نے اگر انتقام لینے کی کمر باندھ لی اور ان لوگوں کو فنا کر دیا جنہوں نے ابتدا کی تھی تو میرے خیال میں یہ جرم نہیں ہے اور جس عمل کو ہم جرم تسلیم نہ کریں اس کے لئے پھر سزا کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ میں محمد خان کی صفائی کے لئے

جو تفصیلات پیش کر رہا ہوں وہ نہ صرف یہ کہ محمد خان کے بیان پر مبنی ہیں بلکہ ان کے بارے میں اس کے علاقے میں جا کر مکمل تحقیقات کی گئی ہیں اور اس کے بیانات کو سو فیصد درست پایا گیا ہے۔ ان حالات کی روشنی میں جناب والا میں خواہشمند ہوں کہ محمد خان کے مستقبل کے بارے میں بہتر فیصلہ کیا جائے۔" وکیل خاموش ہو گیا۔

محمد خان تعجب سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جس نے اس کی شخصیت کو بے نقاب کرتے ہوئے اسے بالکل معصوم انسان قرار دے دیا تھا۔

جج تھوڑی دیر تک اس فائل کی ورق گردانی کرتا رہا جو اس کے سامنے موجود تھا اور پھر اس نے بھاری لہجہ میں کہا۔

"محمد خان کے بارے میں جو تفصیلات موصول ہوئی ہیں ان کے مطابق یہ بے قصور ہے اور ہمارے قانون نے اس کے لئے پھانسی کی سزا غلط تجویز کی تھی۔ فوری طور پر اسے پھانسی سے بچا لیا گیا اور اب اسے اس کے حقوق واپس دلانے کے لئے جدوجہد کی ضرورت ہے۔ میں فیصلہ دیتا ہوں کہ اس زمیندار کو بھرپور سزا دی جائے۔ اسے اس کی زمینوں سے محروم کر دیا جائے اور محمد خان کو اس کا حق دلوایا جائے۔"

عدالت میں تالیاں گونج اٹھی تھیں۔ تب محمد خان نے بھرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"جناب والا! اگر میرے ساتھ یہ احسان ہو رہا ہے تو میری ایک درخواست اور ہے۔"

"وہ کیا محمد خان؟" سوال کیا گیا۔

"جناب والا! مجھے اپنی زمینوں سے زیادہ اپنی بہن عزیز ہے میری بہن ایک طویل عرصہ سے مجھ سے جدا ہے اور میں نہیں جانتا کہ وہ کس حال میں ہوگی۔ جناب والا! میری درخواست ہے کہ اگر میرے ساتھ انصاف کیا گیا ہے اور مجھ بے گناہ کو پھانسی سے بچایا گیا ہے تو پھر میری عزت بھی مجھے واپس دلوائی جائے۔ میری زمینیں اگر مجھے نہ مل سکیں تو خدا کی قسم مجھے ان کا کوئی دکھ نہیں ہوگا لیکن جناب والا! میری بہن تلاش کر کے میرے حوالے کی جائے۔"

"محمد خان تمہاری بہن کو تلاش کر کے یقیناً تمہارے حوالے کر دیا جائے گا۔ یہ بات اب ہمارے فرائض میں ہے کہ ہم اسے تلاش کریں۔"

"میں بے حد شکر گزار ہوں۔" محمد خان نے جواب دیا اور پھر محمد خان کا کیس ختم ہو گیا۔ محمد خان کو واپس لایا گیا اور اسی جگہ پہنچا دیا گیا جو اس کی آرامگاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ عدالت میں دوسری کیا کیا کارروائیاں ہوئی ہوں گی۔ بہرصورت وہ اس بات کا خلوص دل سے معترف تھا کہ اس کے ساتھ انصاف ہوا ہے۔ لیکن یہ عدالت اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

یتیم خانہ کی عمارت کے نیچے ایک پوری زمین دوز عمارت بھی پھیلی ہوئی تھی جس میں لاتعداد کمرے تھے۔ ایک بڑے ہال میں ایک گول میز پڑی ہوئی تھی اور اس میز کے درمیان بہت سی کرسیاں اس وقت میز کے ایک سرے پر فضل خان بیٹھا ہوا تھا اور دوسرے سرے پر شیر خان۔ شیر خان کے چہرے پر اطمینان و سکون تھا۔ دو آدمی اس کے نزدیک ہی کھڑے ہوئے تھے اور شیر خان کے سامنے ایک فائل رکھا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے تم لوگ واپس جاؤ۔ اگر مزید کسی تفصیل کی ضرورت ہوئی تو تمہیں طلب کر لیا جائے گا۔"

شیر خان نے کھڑے ہوئے لوگوں سے کہا اور وہ دونوں ادب سے سلام کر کے واپس چلے گئے۔

شیر خان بغور فائل دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ اس فائل پر نگاہیں جمائے رہا پھر فضل خان کی طرف متوجہ ہو گیا "میرے خیال میں ہمارے محکمہ نے زمیندار کے بارے میں مکمل تفصیلات مہیا کر لی ہیں۔ اس کے چار بیٹے ہیں۔ یہ چاروں اس وقت بستی میں موجود ہیں اور ان میں سربراہ چراغ دین ہیں۔ باقی تینوں لڑکے اوباش فطرت ہیں اور چراغ دین سے اپنا اپنا حصہ وصول کر چکے ہیں لیکن چراغ دین بذات خود بھی بے حد چالاک آدمی ہے اور اس نے ان تینوں کو تھوڑی تھوڑی جائداد اور دولت سے ٹرخا دیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان تینوں کو بھی چراغ دین کی طرح قلاش کر دیا جاتا لیکن اس پورے سلسلہ میں چراغ دین کا کردار سب سے اہم ہے اور باقی تینوں بیٹوں نے اس سلسلہ میں کوئی کوشش نہیں کی۔ گویا سزا کا حقدار صرف چراغ دین ہے..... تو میرے عزیز دوست فضل خان اگر ہم صرف چراغ دین ہی کو سزا دے دیں تو محمد خان کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے شیر خان! مگر محمد خان کو ملے گا کیا؟ یہ ساری زمینیں جو اس کے باپ کی ملکیت تھیں۔ اس کے علاوہ وہ مزید زمینیں یہ مکان اور چراغ دین کا سارا اثاثہ۔"

چراغ دین غیر شادی شدہ ہے جبکہ اس کے تینوں بھائیوں نے شادیاں کر لی ہیں۔ وہ عیاش فطرت ہے اور دن رات رقص و مے نوشی میں گھرا ہوا رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم صرف اسی کی گردن ناپ لیں تو سارے کام مکمل ہو جاتے ہیں۔ ہاں اگر کبھی اس کے تینوں بھائیوں نے سر اٹھانے کی کوشش کی تو پھر انہیں بھی دیکھ لیا جائے گا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے شیر خان! لیکن محمد خان کے لئے کیا کرو گے؟"

"کیا مطلب؟" شیر خان نے تعجب سے فضل خان کو دیکھا۔

"میرے بھائی محمد خان کو تو پھانسی ہو چکی ہے۔ اگر یہ اپنی شکل

میں وہاں تک جائے گا تو پھر کیا اسے پہچانا نہیں جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے پھر اس کی ریکارڈ میں ساری تفصیلات موجود ہیں لیکن اس کے باوجود محمد خان پریشانی کا شکار ہو جائے گا۔" فضل خان نے کہا۔

"نہیں فضل خان! تمہارے خیال میں شیر خان ایسے ہی کچے کام کرتا ہے۔ محمد خان اپنی اصلی حیثیت میں وہاں نہیں جائے گا۔ ہم اسے مکمل طور پر تبدیل کر دیں گے مثلاً اس کی لمبی سی داڑھی ہو گی اور اس کا نام محمد خان کے بجائے دین محمد کیسا رہے گا۔"

"بڑا ہی اچھا نام ہے، رہی اس کی بہن تو بہر صورت ہمارے کئی محکمے اسے تلاش کر رہے ہیں اور مجھے امید ہے کہ وہ کامیاب ہو جائیں گے تو بعد میں اسے محمد خان کے پاس پہنچا دیں گے۔" شیر خان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے شیر خان! جیسا تم پسند کرو فضل خان کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"نہیں فضل خان! اگر کوئی اور تجویز تمہارے ذہن میں ہو تو مجھے بتاؤ۔"

"بھائی تیرے معاملہ میں تو اپنا ذہن ہی کام نہیں کرتا اور اپنی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سارے لوگ تیری باتیں کیسے مان لیتے ہیں اور کیوں مان لیتے ہیں۔" فضل خان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور شیر خان ہنسنے لگا۔

"بس! فضل خان تماشہ دیکھتے رہو، جہاں کہیں محسوس کرو کہ مجھ سے غلطی ہو رہی ہے اور تمہیں مداخلت کی ضرورت ہے تو ضرور مداخلت کرنا۔ میں تمہاری بات بڑی خوشی سے سنوں گا۔"

"ضرور ضرور۔" فضل خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ حالانکہ تمہارے کسی معاملے میں کوئی بات سمجھ میں آئے تو بڑی بات ہے۔ میں جب کسی چیز کو سمجھ ہی نہیں سکوں گا تو تمہیں مشورہ کیا دوں گا۔" فضل خان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"حالانکہ نہ سمجھنے کی کوئی بات نہیں ہے فضل خان۔" کونسی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔" کیا تم اس پورے نظام سے ناواقف ہو۔"

"ایسا ہی لگتا ہے میرے دوست شیر خان! فضل خان تو ایک سیدھا سادہ آدمی تھا۔ غصہ آ گیا تو مار پیٹ کر اپنے دشمن کو ٹھیک کر لیا۔ دل کی بھڑاس نکال لی۔ دولت کی ضرورت ہوتی تو کہیں سے بھی حاصل کر لی اور جب باہر سے دل بھر گیا تو جیل چلا گیا۔ اور یہ سب کچھ، سب کچھ اپنی سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ سب کچھ تیرا پھیلایا ہوا ہے شیر خان۔ اور تو..... تیرے بارے میں تو میں آج تک یہ فیصلہ ہی نہیں کر پایا کہ تو زمین کا رہنے والا بھی ہے یا نہیں۔" فضل خان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور شیر خان ہنستا رہا پھر بولا۔

"حالانکہ اس میں نہ سمجھنے والی کوئی بات نہیں ہے فضل خان! میں کہہ چکا ہوں کہ میں حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر مجرم بنا لیکن کبھی میں نے اپنی اس مجرمانہ زندگی کو پسند نہیں کیا۔ میری خواہش تھی فضل خان کہ میرے علاوہ اس دنیا میں اور کوئی مجرم نہ ہو۔ جرائم کے راستوں سے ہٹ کر اچھے راستوں کی طرف آئیں۔ میں تو بگڑ ہی چکا ہوں۔ دوسرے نہ بگڑ جائیں اور اسی جذبہ کو لے کر میں نے میدانِ عمل میں قدم رکھا اور اسی جذبہ کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔ چاہتا ہوں فضل خان کہ وہ لوگ جو جرائم کی زندگی کی جانب دوڑ رہے ہیں اور جن کو حالات نے خود کو سنبھالنے کا موقع نہیں دیا میرے ذریعہ صحیح راستہ پر آ جائیں۔ ان کی مجبوریاں ختم ہو جائیں۔ اور وہ ایک مناسب زندگی حاصل کر لیں۔ زندگی جو ایک اچھے شہری کی زندگی کہلاتی ہے۔ محمد خان ہی کو لے لو۔ حالات نے اسے پھانسی کے پھندے تک پہنچا دیا۔ لیکن تم خود بتاؤ فضل خان، کیا اس کا جرم ایسا تھا کہ اسے پھانسی دی جاتی۔ اس سے پہلے جو لوگ جرم کر چکے ہیں انہیں پھانسی کیوں نہیں دی گئی۔ صرف اس لئے نا کہ محمد خان کی آواز محدود تھی۔ وہ میری ہی مانند تھا۔ میری ہی طرح تھا۔

شیر خان کے چہرے پر ایک ہلکی سی تمتماہٹ پیدا ہو گئی اور فضل خان بغور اسے دیکھتا رہا۔ چند لمحے خاموشی سے گذر گئے فضل خان گہری نگاہوں سے شیر خان کو دیکھ رہا تھا۔ پھر جب دونوں کی نگاہیں ملیں تو شیر خان مسکرا دیا لیکن فضل خان کے چہرے پر سنجیدگی ہی رہی۔

"ایک بات ضرور کہوں گا شیر خان! تو بڑا گہرا آدمی ہے۔"

"کیوں فضل خان! کیوں کہہ رہے ہو یہ بات؟"

"اس لئے کہ جب تو پہلی بار میرے سامنے آیا تو ایک بھیگے ہوئے چوہے کی طرح تھا معصوم معصوم اور نازک نازک سا۔ پھر جب تو نے میری انگلیوں میں پنجہ ڈال کر مجھے شکست دی تو میں حیران رہ گیا لیکن اس کے باوجود میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ تو اندر سے ایسا عجیب و غریب آدمی نکلے گا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تو نے فضل خان کو ناکارہ کر دیا اور اب فضل خان سینہ تان کر یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ فضل خان ہے۔ وہ فضل خان کہ جس کے رعب سے اچھے اچھے لوگ کانپتے تھے۔ آج صرف تو ہی تو ہے۔ مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے شیر خان لیکن ویسے ایک افسوس ضرور ہے اور وہ یہ کہ میں تجھ سے ناواقف ہوں کہ تو اندر سے کیا ہے اور یہ فضل خان کی بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ وہ اپنے دوست کی پچھلی زندگی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا ابھی تو نے ذکر کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی کہ تجھے مجرمانہ زندگی پسند نہیں تھی کسی خاص وجہ سے تو اس زندگی میں آیا۔ کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں ہے کہ میں تجھ سے تیرے بارے میں معلوم کر سکوں" فضل خان

بھاری لہجہ میں بولا اور شیر خان کے انداز میں بھی سنجیدگی آگئی۔ چند ساعت وہ گردن جھکائے سوچتا رہا پھر اس نے فضل خان کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں۔

"دوست ہو فضل خان تو ان چنگاریوں کو دبا رہنے دو۔ زخموں کو کریدنا دوستوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔ میں نے اپنا ماضی دہرایا تو میرے پورے وجود میں ایک آگ بھڑک اٹھے گی اور فضل خان میں نہیں کہہ سکتا کہ اس آگ کو سرد کرنے کے لئے مجھے کیا قدم اٹھانا پڑے۔ میں نے ماضی کو اتنا گہرا دفن کر دیا ہے کہ وہ مشکل ہی سے ابھر سکتا ہے۔"

"جھوٹ بول رہا ہے شیر خان! تو نے اپنا ماضی دفن نہیں کیا تو آج بھی اپنے ماضی کو یاد کر کے وہی عمل کر رہا ہے جو تیرے ماضی کی پکار ہے۔"

"صرف پکار رہ گئی ہے فضل خان! اس پکار کو ہمیشہ زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔ کچھ آوازیں ہیں جو میں نے اپنے کانوں کے لئے فضل خان کے لئے رہنے دی ہیں جو میری زندگی کو رواں دواں رکھے ہوئے ہے اگر یہ آوازیں فنا ہو گئیں تو شیر خان میں کچھ باقی نہیں رہ جائے گا۔"

"ارے او فلاسفر! تو آلو بنانے میں بھی بہت مہارت رکھتا ہے اور فضل خان تم تو ہو ہی آلو بلکہ آلو کے پٹھے۔ ہمیشہ دوسروں کی باتوں میں آجاتے ہو۔ ٹھیک ہے بھائی ٹھیک ہے۔ مت بتا تو اپنے بارے میں اور فضل خان وعدہ کرتا ہے کہ آئندہ تجھ سے کبھی کچھ نہیں پوچھے گا۔ چل چھوڑ۔ اب یہ بتا کہ آگے کیا کرنا ہے نوجوان! شیر خان گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔ وہ اپنے آپ کو معتدل کر رہا تھا پھر اس نے بھاری لہجہ میں کہا۔

"ناراض مت ہونا فضل خان! میں نے تم سے کہا تھا کہ میرا ماضی مجھے دکھ دیتا ہے۔ اس لئے میں اسے دفن ہی رہنے دینا چاہتا ہوں۔ میرے دوست کی حیثیت سے تم میری اس کیفیت کو برداشت کر لو گے۔ مجھے یقین ہے۔ باقی رہا آگے کچھ کرنے کا سلسلہ، میں اپنے پیارے دوست سے کوئی بات چھپانا پسند نہیں کروں گا فضل خان محمد خان دین محمد کی حیثیت سے اس بستی میں جائے گا اور چراغ دین سے اس کی ساری زمینیں اور جائیدادیں وصول کرے گا۔ یہ میرا فیصلہ ہے بالکل اسی طرح جیسے میں نے اسے پھانسی کے پھندے سے اتار کر لانے کا فیصلہ کیا تھا اور تم دیکھ لو کہ وہ آج تمہارے درمیان موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے میں مطمئن ہوں" فضل خان نے کہا اور یہ گفتگو ختم ہو گئی۔ شیر خان بغور اس فائل کو دیکھتا رہا تھا جو دین محمد کے بارے میں اسے مہیا کی گئی تھی۔

نئے منصوبے کے تحت ایسے بہت سے محکمے ترتیب دے لئے گئے تھے۔ ان محکموں کے لئے اہم ترین لوگ اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ یہ محکمے مجرموں کے بارے میں تفصیل، نئے ہونے والے جرائم کی رپورٹیں وغیرہ مہیا کرتے تھے اور اس زیر زمین حکومت میں ان تمام رپورٹوں کا جائزہ لیا جاتا تھا۔

بستی اعظم گڑھی سرسبز و شاداب کھیتوں کی بستی تھی۔ یہاں کے رہنے والے اپنے زمیندار چراغ دین کے بارے میں جو کچھ بھی خیالات رکھتے ہوں لیکن اپنی بستی سے پوری طرح مخلص تھے اور اس بستی کو ہریالی کی دولت سے مالا مال کرنے میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دیکھنے والے بستی کی فصلوں اور اس کے لہلہاتے حسن سے بے حد متاثر ہوتے تھے۔

پرانے طرز کی جیپ اچھلتی کودتی ناہموار پگڈنڈی پر آگے بڑھ رہی تھی جو بستی اعظم گڑھی کی جانب جاتی تھی بستی کے بچوں نے دور سے آتی ہوئی جیپ دیکھی اور تماشہ کے طور پر جمع ہو گئے۔ جیپ ان کے قریب آکر رکی تو جھونپڑی کے باہر بھینس کے لئے کٹی کرنے والا بوڑھا آدمی آگے بڑھا اور اس نے ڈانٹ کر بچوں کو جیپ کے نزدیک سے ہٹا دیا جیپ کے اندر تین افراد تھے۔ ایک درمیانی عمر کا ڈاڑھی والا آدمی، نوجوان لڑکی اور ایک اور خوبصورت نوجوان تھا۔ یہ تین افراد اس بستی میں داخل ہوئے تھے۔ نوجوان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بوڑھے کو اشارہ سے نزدیک بلایا اور بوڑھا اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"زمیندار چراغ دین کا مکان کون سا ہے" نوجوان نے پوچھا۔

"جی، وہ جو چوٹی سے پتا ہوا ہے۔ اونچا سا مکان بستی میں بھلا کسی اور کا ہو سکتا ہے۔" بوڑھے کسان نے جواب دیا اور نوجوان اس کے اشارے کی سمت دیکھنے لگا پھر اس نے بوڑھے کا شکریہ ادا کیا اور جیپ آگے بڑھا دی۔ کچھ ہی دیر کے بعد جیپ زمیندار کے مکان کے سامنے رکی تھی۔ چند لوگ موجود تھے جو یقینی طور پر زمیندار کے ملازم تھے۔ سب کی نگاہیں جیپ کی جانب اٹھ گئیں۔ نوجوان نیچے اتر آیا۔ لڑکی اور ڈاڑھی والا آدمی جیپ ہی میں بیٹھے رہے تھے۔ نوجوان نے یہاں بھی ایک شخص کو اشارہ سے بلایا اور کہنے لگا۔

"ہم چراغ دین کے مہمان ہیں۔"

"ادھر۔ کہاں سے آئے ہیں سرکار؟...... سرکار چراغ دین کو اطلاع دیدی جائے۔ آپ اپنا نام پتہ بتا دیں۔" اس شخص نے کہا۔

"بس ان سے کہو کہ ان کے کچھ دوست شہر سے آئے ہیں اور ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

"نام نہیں بتلائیں گے سرکار!"

"تم سے جو کچھ کہا ہے وہی کہو" نوجوان نے کہا اور وہ شخص جلدی سے اندر دوڑ گیا۔

چراغدین خود باہر نہیں آیا تھا بلکہ اس بار اس شخص کے ساتھ دو اور آدمی باہر آئے تھے اور انہوں نے غور سے ان لوگوں کو دیکھا۔ پھر انہوں نے آپس میں کچھ گفتگو کی اور ان میں سے ایک اندر چلا گیا دوسرا آدمی نوجوان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس نے نوجوان کو سلام کیا پھر بڑے ادب سے بولا۔

"اندر تشریف لائیے جناب۔" زمیندار صاحب ابھی آتے ہیں آپ ان کا انتظار کریں۔"

"ٹھیک ہے ہماری گاڑی کا خیال رکھا جائے۔" نوجوان نے کہا۔ پھر اس نے داڑھی والے شخص اور اس لڑکی کو بھی آواز دی اور وہ دونوں بھی نیچے اُتر آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ زمیندار کی کشادہ ڈیوڑھی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے ہی وہ شخص بیٹھ گیا تھا جو انہیں یہاں تک لیکر آیا تھا۔ چند ساعت کے بعد زمیندار بھی اندر داخل ہو گیا۔ چہرے ہی سے اوباش نظر آنے والا اندر داخل ہو کر گہری نگاہوں سے ان لوگوں کا جائزہ لینے لگا اور پھر اسکی بھوکی نگاہیں لڑکی پر آجمیں۔ پھر ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ بکھر گئی پھر وہ پُرتپاک انداز میں آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"آپ کو نہیں پہچانتا، شاید کبھی ملاقات نہیں ہوئی لیکن اس کے باوجود آپ مجھ سے ملنے آئے ہیں تو میں خوش آمدید کہتا ہوں"

"شکریہ! چراغدین صاحب بڑی تعریفیں سُنی تھیں آپ کی، سوچا کہ آپ سے ملاقات ہی کر لی جائے۔"

"اوہو ہو....." زمیندار بھونڈے انداز میں ہنسنے لگا "میں کس قابل ہوں۔ اور آپ لوگ یہاں کیوں بیٹھ گئے۔ ارے کرمو، مجید مہمانوں کے لئے آرام دہ رہائش کا انتظام کرو۔"

"ہم زیادہ عرصہ یہاں نہیں ٹھہریں گے زمیندار صاحب رہائش کی کوئی ضرورت نہیں ہے گفتگو کرنے کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جناب! بھلا یہ ممکن ہے کہ آپ مہمان آئیں اور یوں ہی واپس چلے جائیں۔ جب تک چراغدین کا دل نہیں بھرے گا آپ یہاں سے واپس نہیں جائیں گے۔ یہ اعظم گڑھی کا قانون ہے۔" چراغدین نے ہنستے ہوئے کہا لیکن اس کے انداز میں ایک دھمکی پوشیدہ تھی جسے نوجوان نے بخوبی محسوس کیا تھا اور اسکے ہونٹوں پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"زمیندار صاحب کی اگر یہ مرضی ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" اس نے خوشامدانہ انداز میں کہا اور چراغدین کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔

"پہلے آپ لوگ تھوڑی دیر آرام کریں۔ لمبا سفر کر کے آئے ہیں چائے پر آپ سے بات چیت ہو گی اور آپ سے آپ کے آنے کا مقصد پوچھا جائے گا۔ ابھی میرے ملازم آپ کے لئے آرام کا بندوبست کئے دیتے ہیں۔" زمیندار نے کہا اور نوجوان نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد زمیندار کے ملازم واپس آ گئے اور انہوں نے اطلاع دی کہ مہمانوں کی رہائش کا بندوبست کر دیا ہے

"لے جاؤ انہیں اور انہیں ان کی آرام گاہ میں بٹھا دو۔" زمیندار نے شاہانہ انداز میں کہا اور تینوں نووارد اُٹھ گئے۔

زمیندار کا مکان دیہات میں بنے ہوئے مکانوں کی بہ نسبت کچھ جدید تھا۔ کمرے تو اس میں بیشمار بنے ہوتے تھے لیکن ان کی ترتیب مناسب نہیں تھی۔ جن دو کمروں میں ان مہمانوں کی رہائش کا بندوبست کیا گیا تھا وہ نزدیک نزدیک تھے۔ ملازم نے ایک کمرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو ان بی بی جی کے لئے ہے دوسرے میں آپ دونوں رہینگے"

"کیا یہ ضروری ہے کہ بی بی جی اسی کمرے میں رہیں۔ جو تم نے بتایا ہے۔"

"جی ہاں یہ ضروری ہے۔" زمیندار صاحب کی اس حویلی کے کچھ اصول ہیں اور ان اصولوں کو کوئی بھی توڑنا پسند نہیں کرتا۔"

"خوب خوب! کیا یہ اصول مہمانوں پر بھی لازم ہوتے ہیں۔"

"جی ہاں جناب! اس علاقے میں داخل ہونے کے بعد ہر شخص وہی کرتا ہے جو زمیندار جی کی مرضی ہوتی ہے۔" ملازم نے کہا اور نوجوان نے گردن ہلا دی۔ پھر وہ واپس چلا گیا۔

کمرے ضروریاتِ زندگی سے معمولی طور پر آراستہ تھے۔ یعنی یہاں کسی چیز کی تکلیف تو نہیں تھی لیکن ان میں کوئی حسن بھی نہیں تھا۔ بس ایک معمولی سی رہائش کا بندوبست تھا۔ بہر صورت آنے والوں کو ان کمروں کی سجاوٹ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ نہ جانے ان کے یہاں آنے کا مقصد کیا تھا۔ وہ تینوں ایک ہی کمرے میں داخل ہو گئے اور ایک نشست پر بیٹھ گئے۔ نوجوان کسی خیال میں گم تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے گردن ہلائی اور اس شخص کی جانب دیکھا جس کی لمبی داڑھی تھی۔

"محمد خان اپنی زمین اور اپنی بستی میں آ کر تمہیں کیسا محسوس ہو رہا ہے"

"میں اپنے جذبات بیان نہیں کر سکتا شیر خان۔" محمد خان نے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں، میں محسوس کرتا ہوں۔ بلاشبہ یہاں آ کر تمہاری ذہنی کیفیت اچھی نہیں ہو گی۔ یادیں انسان کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ لیکن محمد خان اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے ہمیں دُنیا کے دوسرے لوگوں کی طرح چالاکی اپنانا پڑتی ہے۔ اگر ہم سادگی سے زندگی گزارنا پسند کریں تو دوسرے ہماری اس پسند کا خیال نہیں رکھتے میں نے تمہیں جو ہدایات دی ہیں ان سے سرمو انحراف نہ ہو۔ اس میں ہماری کامیابی پوشیدہ ہے۔"

میں انتہائی کوشش کروں گا شیر خان! اور تم اطمینان رکھو میں تمہاری دی ہوئی ہدایات پر پوری طرح عمل کروں گا۔ لیکن کچھ باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔"

"وہ کیا محمد خان!" شیر خان نے پوچھا۔

"تم زمیندار چراغ دین سے مل لئے۔ میرا خیال ہے اس کی شخصیت، اس کی ذہنیت کے بارے میں اندازہ لگانا زیادہ مشکل کام نہیں ہے تو ایسی حالت میں تم قانونی پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے کس طرح مجبور کرو گے کہ وہ میری زمینیں مجھے واپس دے دے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو محمد خان۔" کیا تم یہاں صرف اپنی زمینیں لینے آئے ہو۔" شیر خان نے آنکھیں نکال کر کسی قدر غصیلے انداز میں کہا۔ اور محمد خان ہنسنے لگا۔

"مجھے تو ان کی امید بھی نہیں ہے شیر خان! تم ایک مخلص انسان ہو اور میں جانتا ہوں کہ تم پورے خلوص سے یہ کوشش کرو گے کہ میرا مستقبل سنبھل جائے۔ لیکن زمیندار کو کس طرح مجبور کرو گے یہ بات کسی طور میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"بات میرے خلوص کی نہیں ہے محمد خان بلکہ عدالت کے اس فیصلہ کی ہے جو ہمارے حق میں دیا گیا ہے اور جس فیصلہ کے تحت میں یہاں آیا ہوں۔ یہ میرا کام ہے کہ اب زمیندار کو بھکاریوں کی سی زندگی گزارنی ہوگی اور وہ سب کچھ جو اس کے قبضہ میں ہے ہمارے قبضہ میں آجائے گا اور آنے والا وقت تمہیں خود بتائے گا کہ یہ سب کچھ کیوں کر ہوا۔" شیر خان نے جواب دیا۔

"مجھے بڑی حیرت ہو رہی ہے شیر خان! بہر حال تم کہہ رہے ہو اس لئے میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔"

"ہاں۔ لیکن اس لڑکی کو یہاں کیوں لائے ہو۔ مجھے سخت طیش آ رہا تھا چراغ دین کی نگاہوں کو دیکھ کر اور تم کیا سمجھتے ہو شیر خان! چراغ دین نے جو ہماری پذیرائی کی ہے اور ہمیں معزز مہمانوں کی حیثیت دی ہے اس کی بنیاد کیا ہے۔" "رخسانہ۔" نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا اور محمد خان چونک کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

خوبصورت لڑکی کے ہونٹوں پر خوبصورت مسکراہٹ پھیل گئی تھی

"کیا خیال ہے رخسانہ! کیا یہ بات تمہارے ذہن میں نہیں تھی۔" شیر خان نے پوچھا۔

"مجھے تو لایا ہی اس لئے گیا ہے محمد خان کہ ہم لوگ چراغ دین کی توجہ حاصل کر سکیں۔ باقی رہی چراغ دین کی غلاظت آمیز سوچ کی بات، تو تم کیا سمجھتے ہو، میں اگر تنہا بھی ہوں تو میرے ہاتھ کی ایک ضرب اسکی گردن کی ہڈی توڑ سکتی ہے۔" لڑکی نے کہا اور محمد خان پھر خیالی انداز میں گردن ہلانے لگا۔

"تم لوگوں کے بارے میں نہ میں کچھ جانتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ کچھ جان بھی نہیں سکوں گا۔ میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تم کون ہو؟"

"خدائی فوجدار۔" شیر خان ہنستا ہوا بولا اور محمد خان پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہو گیا۔

شام کی چائے پر بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ چائے کا اہتمام اسی حویلی کے ایک بڑے کمرے میں کیا گیا تھا جہاں چراغ دین نے اپنی دانست میں بہترین فرنیچر لگایا تھا۔ ایک بیضوی میز پر برتن سجے ہوئے تھے۔ ملازم انہیں بلانے کے لئے آئے اور وہ تینوں اس کمرے میں پہنچ گئے۔ چراغ دین وہیں موجود تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔

کڑھے ہوئے کرتے اور سفید لاچے میں چراغ دین کی شخصیت نمایاں ہو گئی تھی۔ بڑی بڑی مونچھوں کی چھاؤں میں پھیلی ہوئی مسکراہٹ بڑی مکروہ تھی اور اس کی آنکھوں میں ہوس کے چراغ روشن تھے۔ مخاطب وہ ان لوگوں سے ہوا لیکن اس کی نگاہیں رخسانہ پر جمی ہوئی تھیں۔

"آئیے آئیے۔ آپ لوگوں کی آمد میرے لئے عزت کا باعث ہے اور آپ لوگ یقین کریں کہ میں نے یہ وقت بڑی مشکل سے گزارا ہے میں سوچ رہا تھا کہ آپ لوگ کون ہیں اور چراغ دین کے اس جھونپڑے کو آپ نے کیوں رونق بخشی ہے۔ بہر حال چائے پیجئے اور چائے کے دوران ہی ہماری آپ سے اس سلسلہ میں گفتگو بھی ہو جائے گی۔"

"ہاں ہاں! زمیندار صاحب ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ اپنا یہاں آنے کا مقصد بیان کر دیں۔" شیر خان نے کہا اور پھر وہ کرسیاں گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

"پہلے تو آپ لوگ اپنا تعارف کرائیے۔" زمیندار بولا۔

"ان کا نام رخسانہ ہے۔" نوجوان شیر خان نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اور زمیندار جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے رخسانہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ موڈرن بننے کی کوشش کر رہا تھا بدبخت لیکن رخسانہ نے صرف سر کی جنبش سے اسے سلام کیا اور زمیندار جھینپے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا۔

"اوہ۔ ہوں۔" اس نے وہی کروہ آواز نکالی۔ اور پھر شاید اس گدھے نے ان دونوں سے تعارف کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ انہیں چائے کی جانب متوجہ کرنے لگا۔ رخسانہ کے سلسلے میں وہ جس بھونڈے پن کا مظاہرہ کر رہا تھا اس سے رخسانہ کو سخت نفرت محسوس ہو رہی تھی لیکن شیر خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"میرا خیال ہے آپ ہم سے ہماری آمد کے سلسلہ میں گفتگو کرنے والے تھے۔" زمیندار صاحب۔"

"ایں۔ آں ہاں۔" میں تو بھول ہی گیا تھا۔ دراصل آپ لوگ نہ جانے کیوں ایسے لگ رہے ہیں جیسے میرے قریبی دوست ہوں۔ قریبی مہمان ہوں۔ قریبی عزیز ہوں۔

"تو یہ باتیں تو ذہن سے نکل ہی جانی چاہئیں۔" کیوں مس رخسانہ

زمیندار نے لڑکی کی جانب دیکھ کر کہا۔
"بیشک بیشک! میں تو آپ کو خوابوں میں دیکھا کرتی تھی۔"
رخسانہ نے کہا اور زمیندار کے ہاتھ سے چمچہ چھوٹ گیا۔
"کیا مطلب!" اس نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے پہلے محمد خان پھر شیر خان کی جانب دیکھا
"ہاں، زمیندار صاحب! یہ دونوں میرے ملازم ہیں اور میرے ہی ایما پر مجھے یہاں تک لائے ہیں۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ آپ میرے خوابوں کے شہزادے ہیں۔"
"ارے نہیں۔ ارے نہیں۔" زمیندار بدستور بوکھلایا ہوا تھا۔ وہ گہری نگاہوں سے رخسانہ کو دیکھ رہا تھا لیکن رخسانہ کے انداز سے یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ کوئی مذاق یا طنز کر رہی ہے زمیندار گہری گہری سانسیں لینے لگا۔
"یہ کیسے ممکن ہے مس رخسانہ! میں نے تو آپ کو پہلے کہیں نہیں دیکھا۔"
"میں اسے اپنی بدقسمتی کے علاوہ اور کیا کہہ سکتی ہوں۔" رخسانہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔
"ارے مگر۔ ارے مگر۔ ان دونوں کے سامنے آپ ایسی باتیں کر رہی ہیں۔ مجھے تو بڑی شرم آ رہی ہے۔" زمیندار گدھے پن سے بولا۔
"میں آپ سے کہہ چکی ہوں چراغدین کہ یہ دونوں میرے ملازم ہیں۔ مجال ہے کہ میرے کسی معاملہ میں مداخلت کر سکیں۔ میں اپنے طور پر مطلق العنان ہوں۔ والدین مر چکے ہیں۔ اور اپنی اتنی بڑی جائداد کو میں تنہا ہی سنبھالے ہوئے ہوں۔"
"مگر آپ ہیں کون، کہاں رہتی ہیں؟"
"شہر میں رہتی ہوں۔ نہ جانے میری تقدیر نے مجھے یہ غم کیوں دے دیا۔ طویل عرصہ تک تو میں تمہاری تلاش میں بھٹکتی رہی۔ نہ جانے کس طرح مجھے معلوم ہوا کہ تمہارا نام چراغ دین ہے اور تم یہاں رہتے ہو"
"تعجب کی بات ہے عقل تسلیم نہیں کرتی۔" زمیندار کھانا پینا بھول گیا تھا۔
شیر خان اور محمد خان بمشکل تمام اپنی ہنسی برداشت کئے ہوئے تھے۔ لیکن رخسانہ بڑی کامیابی سے اپنا رول ادا کر رہی تھی۔ کافی دیر تک خاموشی رہی۔ اور پھر چراغدین کی آواز ابھری۔
"تو۔ تو آپ صرف میرے لئے آئی ہیں۔"
"ہاں چراغدین۔ اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم چاہو تو مجھے ٹھکرا دو۔"
"ارے نہیں، چراغدین بیوقوف تھوڑے ہی ہے تمہیں ٹھکرانے کا کیا سوال ہے اور وہ جو کہتے ہیں کہ محبت یکطرفہ نہیں ہوتی۔ میں نے جب تمہیں دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے پہلے کبھی بھی دیکھ چکا ہوں۔"
"واقعی!" رخسانہ خوش ہو کر بولی۔
"مگر اپنی عقل کام نہیں کرتی، آؤ یہاں سے اٹھیں، میں اپنے کمرے میں چل کر تم سے گفتگو کروں گا۔"
"چلو۔" رخسانہ فوراً تیار ہو گئی اور چراغدین ان دونوں کو نظر انداز کر کے باہر نکل گیا۔
محمد خان شیر خان کی شکل دیکھ رہا تھا اور شیر خان محمد خان کی پھر دونوں ہی ہنس پڑے۔ تب محمد خان گہری سانس لے کر بولا۔
"میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ یہاں اس قسم کا کوئی ڈرامہ شروع ہو جائے گا۔"
"گدھوں کو مزید گدھا بنانا پڑتا ہے محمد خان، تم دیکھنا چراغدین کس طرح چاروں خانے چت ہوتا ہے۔"
"مگر میرے دوست! تم اس کی درندگی سے واقف نہیں ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رخسانہ کسی حادثہ کا شکار ہو جائے۔" محمد خان نے تشویشناک لہجے میں کہا۔
"محمد خان رخسانہ نے تمہیں ایک بات کہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ اس کے ہاتھ کی ایک ضرب چراغدین کی زندگی کا چراغ بجھا سکتی ہے اور یہ اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ وہ مارشل آرٹس سے واقف ہے اور چراغدین جیسے لوگوں کے لئے بہت کافی ہے۔"
"اوہو۔ میں بار بار بھول جاتا ہوں کہ تمہارا یہ کارخانہ ہی حیرتناک ہے۔" محمد خان نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا اور شیر خان ہنسنے لگا۔

"ظاہر ہے چراغ دین کی محبوبہ اس عام کمرے میں تو نہیں رہ سکتی تھی جس میں مہمانوں کو ٹھہرایا گیا تھا۔ چنانچہ وہ رخسانہ کو لے کر اپنی مخصوص خوابگاہ میں پہنچ گیا۔ اس کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ آج تک تو دیہاتی لڑکیوں کو اغوا کر کے ان کے ساتھ وقت گزارتا رہا تھا۔ ان لڑکیوں نے اس سے نہ تو پسندیدگی کا اظہار کیا تھا اور نہ کبھی خوشی سے اس کی قربت میں آئی تھیں۔ لیکن چراغ دین کی زندگی میں یہ پہلی لڑکی تھی جس نے اس سے الفت کا اظہار کیا تھا۔ الفت بھی وہ جو قصہ کہانی کی کتابوں میں اس نے پڑھی تھی یعنی خوابوں میں دیکھنے والی باتیں۔ اسے اپنی تقدیر پر رشک آ رہا تھا۔ کیا وہ بھی کسی کے خوابوں کا شہزادہ ہو سکتا ہے۔ رخسانہ بے تکان اس کے ساتھ جا رہی تھی اور پھر خوابگاہ میں پہنچ کر مسکراتی نگاہوں سے اس نے چراغ دین کو دیکھا۔

"چراغ دین! کیا کسی کی آرزوؤں کا پھل اسے اس طرح بھی مل جاتا ہے۔" اس نے سوال کیا۔

"کیا مطلب۔" چراغ دین کی موٹی عقل میں اس جملہ کا مطلب نہیں آیا تھا۔

"میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا چراغ دین! جس نے میری راتوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔ جس نے میرے خیالات کو منتشر کر دیا ہے ایک دن وہ میرے اتنے قریب اور سامنے ہوگا کہ میں اسکی سانسوں کی آواز تک سن سکوں گی۔"

"رخسانہ! رخسانہ! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ خدا کے واسطے مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے۔"

"جو کچھ تم کہہ رہی ہو یہ درست ہے یا مجھے بیوقوف بنا رہی ہو۔"

"اوہ چراغ دین! میں خودکشی کر لوں گی۔ اگر دوبارہ تم نے یہ الفاظ کہے۔ کہے دیتی ہوں خودکشی کر لوں گی۔ میں بھلا تمہیں بیوقوف بنانے کا تصور کر سکتی ہوں۔"

"لیکن رخسانہ! یہ ساری باتیں تو قصے اور کہانیوں کی باتیں ہیں۔"

"قصے کہانیوں کی باتیں ہیں؟ تمہارا کیا خیال ہے چراغ دین؟ کیا اس دنیا میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو بعید از عقل ہے۔" میرا خیال ہے نہیں۔ جتنے قصے ترتیب دیئے جاتے ہیں وہ عقل پر مبنی ہوتے ہیں۔ تم خود سوچو اپنے ماحول کو محسوس کرو۔ یہ ساری چیزیں جنہیں تم ایک خیال کی حیثیت دیتے ہو کیا عملی شکلیں نہیں رکھتیں۔

ہم سب وہی کچھ سوچ سکتے ہیں چراغ دین جو اس دنیا میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ تم دل سے نکال دو کہ قصے کہانیوں کی باتیں حقیقت سے دور ہوتی ہیں۔ میں تمہارے پاس اپنی زندگی کا جو مقصد لے کر آئی ہوں اس کے سلسلے میں تم سے دیر تک گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں کیوں نہیں۔" چراغ دین نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

یہ لڑکی اسے ضرورت سے زیادہ ہی پسند آ گئی تھی۔ تھی بھی خوبصورت اور پھر شہر کی لڑکی۔ چراغ دین نے کبھی شادی کے بارے میں نہیں سوچا تھا لیکن بیوی کے بارے میں کبھی اس کے ذہن میں کوئی تصور ابھرتا تو وہ اس لڑکی سے مختلف نہ ہوتا۔ گاؤں کی دوشیزائیں تو خوابگاہ کی رونق ہی بڑھا سکتی تھیں۔ انہیں تو صرف ایک ایسا پھول سمجھا جا سکتا تھا جنہیں ڈالی سے توڑا سونگھا اور پھر ایک کونہ میں ڈال دیا۔ لیکن جو عورت چراغ دین کی وسیع و عریض جائداد اور اس کی زندگی میں شریک ہو وہ کم از کم عام عورتوں سے تو منفرد ہو اور رخسانہ میں یہ تمام خوبیاں اسے نظر آ رہی تھیں۔ چنانچہ وہ الجھ کر رہ گیا تھا۔

"ہاں ہاں رخسانہ! تم نے تو چند ہی منٹوں میں چراغ دین کو اپنا غلام بنا کر رکھ دیا ہے۔"

"نہیں چراغ دین! غلام تو میں تمہاری ہوں۔ میں تو تم سے اپنی قسمت کا فیصلہ سننے آئی ہوں۔"

"کیا فیصلہ! کچھ تو کہو رخسانہ!" چراغ دین نے رومانی بننے کی کوشش کی۔

"میں تم سے شادی کرنے کی خواہشمند ہوں چراغ دین! اگر تمہیں میری بات منظور ہو تو بتاؤ۔ شام کو میرے آدمی سے گفتگو کر لینا اور اس کے بعد جس طرح سے بھی پروگرام ترتیب پائے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ اتنی جلدی یہ سب کچھ ہو جائے گا۔" میں نے سوچا بھی نہیں تھا رخسانہ۔

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" چراغ دین نے کہا اور رخسانہ خوشی سے دیوانی ہو گئی۔ لیکن چراغ دین کی پیش دستی کے جواب نے اسے روک دیا تھا۔

"نہیں چراغ دین! عزت نفس بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ ہم لوگ اب اتنے قریب نہیں آئیں گے کہ بعد میں اس قربت کی لذت کو بھلا بیٹھیں۔"

"تم شہر کی رہنے والی ہو رخسانہ! جیسے کہتی ہو وہی ٹھیک ہے۔"

چراغ دین خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔

شام کو کھانے کے بعد حویلی کے ایک بڑے کمرے میں چراغ دین نے رخسانہ کے ساتھیوں کو بھی مدعو کر لیا۔ رخسانہ تو پہلے سے ہی اس کے پاس موجود تھی۔ چراغ دین! اس وقت ضرورت سے زیادہ نکھرا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کاجل کے ڈورے تھے۔ ہونٹوں پر پان کی لالی جمی ہوئی تھی۔ لباس بھی اس نے شاید سب سے خوبصورت ہی نکال کر پہنا تھا اور بانکا چھبیلا بنکر ان کے درمیان آ بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر لجائی لجائی سی مسکراہٹ تھی جیسے کسی دولہا کے چہرے پر ہوتی ہے اس نے رخسانہ کی جانب دیکھا اور بھونڈے انداز میں بولا۔

"بات شروع کرو رخسانہ!"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ میرے خیال میں میرے ساتھی شیر خان اس سلسلہ میں ابتدا کریں گے۔" رخسانہ نے شیر خان کی جانب دیکھ کر کہا اور شیر خان سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"دراصل ہم اس رقم کا حساب کتاب کرنے آئے ہیں چراغ دین جو تم نے میرے دوست محمد خان سے لی تھی۔ یہ رقم اتنی بڑھ چکی ہے چراغ دین کہ اب تمہاری ساری جائداد اور دولت اس کی ادائیگی کے لئے ناکافی ہے چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا سب کچھ میرے دوست محمد خان کو دے دو" شیر خان نے کہا اور چراغ دین احمقانہ انداز میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب، کیا مطلب، کون محمد خان، کیسی جائداد؟ رخسانہ تمہارا یہ ساتھی کیا کہہ رہا ہے" چراغ دین نے متعجبانہ انداز میں رخسانہ کی جانب دیکھ کر کہا۔

"جو کچھ کہہ رہا ہے درست کہہ رہا ہے چراغ دین۔ تم کیا سمجھتے تھے" رخسانہ مسکرا کر بولی۔

"مگر۔ وہ شادی کی بات" چراغ دین منہ پھاڑ کر بولا۔

"کیسی شادی" رخسانہ نے بھی اسی انداز میں منہ پھاڑ دیا تھا۔ اور چراغ دین احمقوں کی طرح ان تینوں کی شکلیں دیکھنے لگا۔

"تو تم مجھ سے شادی نہیں کرو گی؟"

"شیر خان" رخسانہ نے ہنس کر شیر خان کی طرف دیکھا۔

"پاگل معلوم ہوتا ہے"

"کام کی بات کرو اور یہاں سے چلو۔ ہم کس پاگل خانے میں آپھنسے ہیں"

"اے اے۔ تم لوگ حد سے زیادہ بڑھ رہے ہو۔ کیا تم لوگ چراغ دین سے واقف نہیں ہو۔ کھال کھنچوا لوں گا اس بستی میں تمہاری۔ یہ میری بستی ہے"

"لیکن اب تو مولوی عبدالقدوس کی ہے"

"کون عبدالقدوس؟"

"یہ جو تمہارے سامنے بیٹھے ہیں" نوجوان نے داڑھی والے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ویسے تم سب پاگل ہو گیا۔ اور تو نے مجھ سے دھوکہ کیا ہے لڑکی۔ میں تجھے ٹھیک کر دوں گا۔ کیا تو اب میرے چنگل سے نکل سکتی ہے؟" چراغ دین دہاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھے چراغ دین۔ اچانک نوجوان نے پیار بھرے انداز میں پکارا اور چراغ دین نے خونخوار انداز میں پلٹ کر اسے دیکھا لیکن پھر ساکت ہو گیا اس کی نگاہیں نوجوان کے چہرے پر جمی رہ گئی تھیں۔ "چراغ دین میری جان" نوجوان نے اسی انداز میں پکارا۔ "ادھر آؤ بیٹھے"

اور چراغ دین اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ "اچھے انسان کسی کی کہی ہوئی بات مان لیتے ہیں کیوں؟"

"ہاں۔ مان لیتے ہیں"

"تو تم بھی مان لو بیٹے۔ مانو گے؟"

"ضرور مانوں گا"

"تب پھر ان کاغذات پر دستخط کر دو گے۔ نوجوان نے ایک فائل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ جہاں جہاں نشانات لگے ہوئے ہیں وہاں دستخط کر دو۔ نوجوان نے قلم کھول کر اس کے سامنے کر دیا۔

چراغ دین نے نہایت خاموشی سے دستخط کر دیئے اور پھر گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا "بیٹھے چراغ دین۔ جو کچھ تم سے کہا گیا ہے تم وہی کرو گے اس سے سرمو انحراف نہیں کرو گے" غور سے سنو میں کیا کہہ رہا ہوں۔

نوجوان اسے ایک تقریر رٹانے لگا۔ محمد خان تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چراغ دین کی تو کایا ہی پلٹ گئی تھی۔ اور پھر چراغ دین باہر نکل گیا۔

"یہ کیا ہوا" محمد خان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نے کہا تھا نا محمد خان۔ وہ سب کچھ ہو گا جو میں چاہوں گا۔ اب چراغ دین کی ساری جائداد تمہاری یعنی عبدالقدوس کی ہے"

"میری عقل کام ہی نہیں کر رہی" محمد خان پاگلوں کے سے انداز میں گردن جھٹکنے لگا۔

"محمد خان عقل کے استعمال کا وقت آگے آئے گا۔ کیوں اس بے چاری کو تکلیف دے رہے ہو۔ فی الحال اسی طرح چلنے دو آؤ۔ رخسانہ آجاؤ۔ محمد خان بے چارے کو باہر کی سیر کرائیں۔ سنا ہے دیہات کی آب و ہوا بہت اچھی ہوتی ہے۔ آجاؤ" شیر خان نے کہا اور تینوں باہر نکل آئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

زمیندار کے مکان کے احاطے میں سبھا بیٹھی ہوئی تھی۔ چراغ دین جی ابھی نہیں آئے تھے۔ بہت لوگ جمع تھے۔ دور دور کے تعلقے داروں کو بلایا گیا تھا۔ اور پیغام یہ تھا کہ سب کے سب اپنے کام چھوڑ کر آجائیں۔ بڑا ضروری کام ہے۔

اس وقت سب چہ میگوئیاں کر رہے تھے "ایسی کیا بات ہے کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا؟"

"اللہ جانے۔ یوں لگتا ہے جیسے زمیندار چراغ دین کوئی خاص بتانے والے ہوں"

"نہ جانے کیا بات ہے"

"لو وہ زمیندار جی آگئے" کسی نے کہا۔ چراغ دین اونچی پگڑی باندھے بڑے کر و فر سے آرہا تھا۔ اس کے پیچھے اس کے خادم چل رہے تھے۔ پھر وہ چوپال کے تخت پر آگیا اور تمام قصبے والوں نے اسے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام" "بیٹھو بھائیو۔ جانتے ہو آج میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے"

"ضرور کوئی خاص بات ہو گی زمیندار صاحب۔ ہم سب تو بہت پریشان ہو گئے ہیں" بہت سے لوگوں نے کہا۔

"ہاں خاص ہی بات ہے بھائیو۔ ایسی خاص بات کہ تم سنکر

حیران رہ جاؤ گے۔ آج میں نے تمہیں حیران کرنے کے لئے یہاں بلایا ہے۔ چراغدین نے ہنسکر کہا اور لوگوں کو حیرت ہوئی۔ آج تو چراغدین بڑا خوش اخلاق ہو رہا تھا، حالانکہ اس سے پہلے تو وہ ان لوگوں سے سیدھے منہ بھی بات نہ کرتا تھا۔ بہرصورت کسی نے کچھ نہ کہا۔

"کیا بات ہے زمیندار جی، آج تو آپ بہت خوش نظر آرہے ہیں"۔ ایک بوڑھا آدمی بول ہی پڑا۔

"ہاں بھائیو، بعض اوقات ذمہ داریوں کا بوجھ انسان کو کچھ سے کچھ بنا دیتا ہے، میں جیسا بھی تھا تم لوگوں کے ساتھ میں نے خاصا وقت گزارا ہے، اور میں نہیں جانتا کہ میرے بارے میں تم لوگوں کی کیا رائے ہے، میں اپنے آپ کو اچھا نہیں کہوں گا۔ بھائیو اس کی وجہ یہ ہے کہ اچھا ہوتا تو آج مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا، بات یہ ہے کہ میں شہر جا کر جو کچھ کرتا رہا ہوں اس کی تفصیل بتانا میرے لئے ضروری نہیں ہے لیکن یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ میں نے اپنے دوست مولوی عبدالقدوس سے بڑی بڑی رقمیں قرض لیں اور یہ رقمیں میں اپنی بری عادتوں کی نظر کرتا رہا، حتیٰ کہ ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ میری حیثیت بھی ان کے آگے ختم ہو گئی۔ مولوی عبدالقدوس بے چارہ شریف آدمی ہے۔ بلاشبہ وہ ایک سرمایہ دار ہے لیکن اس میں سرمایہ داروں کی سی کوئی بات نہیں، اس نے کبھی مجھ سے تقاضا نہیں کیا لیکن میری غیرت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ میں اس کی اتنی بڑی دولت دبائے بیٹھا رہوں، چنانچہ میں نے اسے بلا لیا۔ ہمارے اور اس کے درمیان حساب ہوا اور مجھے اندازہ ہوا کہ میں اپنی حویلی، زمینیں، شان و شوکت سب کچھ کھو چکا ہوں اور اس کے باوجود مولوی عبدالقدوس کا قرضدار ہوں۔ تو بھائیو۔ ہم لوگوں نے باہمی تعاون سے اپنے حساب چکا لئے۔ چنانچہ اب میں نے اپنی تمام جائداد مولوی عبدالقدوس کے حوالے کر دی ہے اور اس کے کاغذات بھی مولوی عبدالقدوس کے پاس ہیں۔ چنانچہ اب تمہارے نئے زمیندار مولوی عبدالقدوس ہوں گے۔ مولوی صاحب آ گئے۔ آئیے، چراغدین نے کہا۔ لوگوں کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے۔ تب چراغدین نے کاغذات کا ایک پلندہ مولوی عبدالقدوس کی طرف بڑھا دیا اور کہنے لگا۔

"مولوی صاحب جو کچھ رہا وہ تو رہ ہی گیا، لیکن بہرصورت میں نے آپ کا قرض ادا کر دیا ہے"۔

"ٹھیک ہے چراغدین جو کچھ ہوا ٹھیک ہوا"۔ مولوی عبدالقدوس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"تو بھائیو آج سے تمہارے نئے زمیندار اور میری ہر چیز کے مالک مولوی عبدالقدوس ہوں گے"۔ میں آج ہی سے یہ بستی چھوڑ دوں گا

"مگر زمیندار جی، چراغدین جی۔ بہت سی آوازیں ابھریں"۔

"بس بس اب مجھے زمیندار نہ کہو، میں ایک تلاش آدمی ہوں جو اپنی بری حرکتوں کا شکار ہو گیا"۔

"تمہارا یہی حشر ہونا چاہئے تھا چراغدین"۔ ایک طرف سے آواز ابھری

"بالکل ٹھیک کہتے ہو، کم بخت نے بستی والوں کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ دوسری آواز ابھری اور پھر ہر منہ سے ایک نہ ایک لفظ نکلنے لگا، وہ اپنے دلوں کی بھڑاس نکال رہے تھے، کیونکہ چراغدین اب ان کے سر پر مسلط نہیں تھا۔ تب مولوی عبدالقدوس نے کہا۔

"بھائیو یہ مناسب نہیں ہے، چراغدین نے تمہارے ساتھ برا کیا تھا۔ خدا نے اس کے ساتھ برا کر دکھایا۔ وہ جا رہا ہے اب اسے معاف کر دو"۔

"ارے لعنت ہے اس پر، اس کم بخت کو معافی دی جا سکتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ہمارا بس چلے تو ہم اس کا پورا بدن نوچ کر پھینک دیں، ٹکڑے ٹکڑے کر دیں ہم اس کے، لاش کا بھی پتہ نہ چلنے دیں"۔

"خیر خیر اب تم اپنے اس انتقام کے جذبہ کو ختم کر دو۔ وہ اپنی سازشوں کی بازی ہار چکا ہے اور اب یہ سب کچھ تمہارا ہے عبدالقدوس نے نرم لہجے میں کہا۔

"زمیندار عبدالقدوس زندہ باد۔ زمیندار عبدالقدوس زندہ باد اور شیر خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ تب اس نے جھک کر رخسانہ کی طرف دیکھا۔

"دیکھا رخسانہ تم نے، وقت کس طرح کروٹ بدلتا ہے اور وقت کے پجاری کس طرح آنکھیں بدل لیتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد سبھا برخاست ہو گئی۔ بڑے بڑے لوگوں نے مولوی عبدالقدوس یعنی محمد خان کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا تھا، اور حسابات پیش کرنے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ محمد خان کی حالت ایسی تھی جیسے جاگتے میں خواب دیکھ رہا ہو، زمیندار کی حویلی میں اس بار جب وہ داخل ہوا تو اس کی حیثیت مالکوں کی سی تھی۔ اندر سامان باندھا جا رہا تھا، چراغدین کے خاص خاص آدمی رخصت کی تیاریاں کر رہے تھے۔ تب شیر خان نے محمد خان کو اشارہ کیا۔

"ان سے بات کرو"۔

"کیا کہوں"۔ محمد خان نے پوچھا۔

"سب کو روک لو، ظاہر ہے تمہیں ان کی ضرورت ہو گی"۔

شیر خان نے جواب دیا اور محمد خان شیر خان کی ہدایت پر عمل کرنے لگا اس نے کہا تم لوگوں کو جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، تم سب جس طرح یہاں کام کرتے رہے ہو کرتے رہو گے اور تمہیں وہی سب کچھ ملے گا جو ملتا رہا ہے"۔

"مولوی عبدالقدوس زندہ باد، مولوی عبدالقدوس زندہ باد"۔ نعرے پھر گونج اٹھے۔ ان لوگوں کو محمد خان نے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی جو زمیندار کے خاص آدمی تھے۔

رخسانہ، شیر خان اور محمد خان ایک بڑے کمرے میں جا بیٹھے انہوں نے باہر ملازموں سے کہہ دیا تھا کہ ابھی وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتے، آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔ وہ کاغذات محمد خان کے پاس موجود تھے جن کی رو سے وہ اب اس پورے علاقے کا مالک تھا۔

"میری ذہنی حالت بہت خراب ہے شیر خان۔ بخدا میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ میں اپنا ذہنی توازن نہ کھو بیٹھوں۔"

"یہ تمہارا ذاتی فعل ہوگا محمد خان۔ اور میں تمہیں ذہنی توازن کھو بیٹھنے سے نہیں روکوں گا۔" ہماری عدالت نے فیصلہ کیا تھا کہ تمہاری جائداد تمہیں واپس دلائی جائے۔ چنانچہ وہ تمہیں مل گئی۔ صبر سے کام لوگے تو تمہاری بہن بھی تمہیں مل جائے گی۔"

"لیکن میں۔"

"ہاں کہو۔"

"کیا میں عبدالقدوس کی حیثیت سے زندہ رہوں گا۔"

"ہاں۔ اس لئے محمد خان کو پھانسی ہو چکی ہے۔ اور اب اسے منظر عام پر نہیں رہنا چاہئیے۔"

"اوہ۔ لیکن میری بہن؟"

"اس کی تلاش کی ذمہ داری ہم پر ہے۔"

"لیکن اس حیثیت سے وہ مجھے کسطرح پہچانے گی۔"

"اسے بھی پوری تفصیل بتادی جائے گی۔ اور اگر وہ تمہیں چاہتی ہے تو تمہارے منہ کو ہمیشہ بند رکھے گی۔"

محمد خان نے سر پکڑ لیا۔

بہر حال دوسرے ہی دن شیر خان اور رخسانہ اس سے رخصت ہو کر واپس چل پڑے۔

فضل خان کو اب ان معاملات سے کافی دلچسپی ہو گئی تھی۔ اس کا دوست عجیب و غریب خصوصیات کا مالک تھا۔ لیکن اب فضل خان کی سوچ بھی بدل گئی تھی۔ زیر زمین عدالت میں بے شمار مقدمے لائے گئے تھے۔ وہ فیصلے جو اوپر کی عدالتوں میں ہوئے زیر غور لائے جاتے اور پھر ان پر از سر نو غور ہوتا۔ جن مجرموں کے بارے میں اندازہ ہوتا کہ وہ بے گناہ ہیں انہیں سزا نہیں پانے دیا جاتا تھا۔ کئی بار جیل ٹوٹ چکی تھی اور قیدیوں کو نکال لیا جاتا تھا۔

حکام سخت پریشان تھے۔ بہت سے محکمے ان لوگوں کو تلاش کر رہے تھے۔ جو اس پوری کارروائی کے روح رواں تھے ان کے بارے میں کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ بات ہی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

بہر حال زیر زمین عدالت لگتی تھی اور اس کے لئے بیشمار محکمے ترتیب پا چکے تھے۔ اب تو فضل خان بھی اس سلسلے میں بڑے اعتماد سے کام کرنے لگا تھا۔ تب ایک دن شیر خان نے فضل خان سے کہا۔

"کیا خیال ہے فضل خان۔ موجودہ وقت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"موجودہ وقت سے تمہاری کیا مراد ہے شیر خان؟"

"کیا ہماری کارروائی بہتر طور سے نہیں چل رہی؟"

"ارے گلفام۔ تو نے تو اس شہر کی کایا ہی پلٹ دی ہے۔" تو نے فضل خان کو کیا سے کیا بنا دیا۔

"اب تو تم خود بھی اس عدالت کو چلا سکتے ہو۔"

"کیا مطلب ہے تیرا شیر خان؟"

"دراصل فضل خان۔ یہ میرا شوق ہے۔ اور اسی شوق نے مجھے زندہ رکھا ہے۔ میں حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر مجرم بنا تھا۔ بڑا بے بس انسان تھا میں، مجھے جرائم سے نفرت تھی لیکن حالات نے مجھے اس طرف دھکیل کر ہی دم لیا۔ تب فضل خان میں نے ایک فیصلہ کیا۔ مجھے اس دنیا سے نفرت نہیں ہوئی لیکن میں نے ہمدردی سے اپنے جیسے دوسرے لوگوں کے بارے میں سوچا۔ میں نے سوچا یہ بے چارے بھی میری طرح حالات کی چکی میں پستے ہیں اور اس دلدل سے نکل نہیں پاتے۔ تو میرے دوست میں نے فیصلہ کیا کہ میں ان کی مدد کروں گا اور اس دن سے میں نے اپنا شعار یہی بنا لیا۔ آج دنیا کے بیشتر ممالک میں ایسی زیر زمین عدالتیں کام کر رہی ہیں اور ان مجرموں کی حیثیت کا تعین کیا جاتا ہے جو عادی مجرم نہیں ہوتے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اب تم یہاں اس ملک میں اپنا کام بخوبی سنبھال سکتے ہو۔"

"اور تو شیر خان؟"

"ابھی دنیا اور وسیع ہے فضل خان۔ میری ضرورت دوسروں کو ہے۔ میں ان کے درمیان جاؤں گا کسی اور شہر میں کسی اور ملک میں"

"یہ نہیں ہو سکتا شیر خان"۔ میرے اور تیرے درمیان یہ بات تو طے نہیں تھی۔"

"ہاں نہیں تھی فضل خان لیکن میں جانتا ہوں کہ اب تم یہاں کے معاملات بخوبی سنبھال سکتے ہو۔ اس لئے مجھے دوسروں کی خدمت کا موقع دو۔"

"نہیں شیر خان نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں تو تمہیں ایک اور بات بتانا چاہتا تھا۔"

"کیا فضل خان؟"

"شیگی کو جانتے ہو؟"

"کون شیگی؟"

"رستم پور کے نوابوں میں شمار ہوتا ہے۔ اسمگلر ہے۔ اور بین الاقوامی پیمانے پر کام کرتا ہے۔"

"میں نے کبھی نہیں سنا اس کا نام۔"

"ظاہر ہے ابھی ہم نے اسمگلروں کی طرف توجہ نہیں دی۔"

"دیں گے۔ ضرور دیں گے"۔
"مگر تم تو جا رہے ہو شیر خان"۔
"ابھی تو نہیں جا رہا فضل خان۔ اگر شیگی کوئی چیز ہے تو اسے دیکھ لیں گے"۔
"تو نے دل توڑ دیا ہے شیر خان۔ اب کام کرنے میں وہ مزا نہیں آئے گا جو آتا تھا۔ تو چلا جائے گا تو کیا خاک مزا آئے گا"۔
"فضل خان۔ اگر میں چلا جاؤں گا تو کیا کبھی واپس نہیں آؤنگا یہ میری برانچ ہے فضل خان اور میں اس کی خبر گیری کرتا رہوں گا"۔
"وعدہ"۔
"ہاں فضل خان یہی میرا طریقہ کار ہے"۔
"تب ٹھیک ہے۔ ورنہ میں تو مارا ہی گیا تھا"۔
"تم نے پوری بات ہی کب سُنی تھی فضل خان کسی مرحلے پر تمہیں جب بھی کوئی الجھن پیش آئے گی میں تمہارے پاس ہونگا"۔
"پھر شیگی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"
"کیا چاہتے ہو؟"
"دراصل شیگی بہت بڑی شخصیت کا مالک ہے۔ اعلیٰ حکام سے اس کی بڑی دوستی ہے اس لئے کوئی اس پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔"
"اوہ فضل خان تمہیں پہلے ہی اس کے بارے میں بتانا چاہیئے تھا"۔
"ہاں بس اتفاق ہے"۔
"کہاں رہتا ہے؟"
"رستم پور میں"، فضل خان نے جواب دیا اور شیر خان گردن ہلانے لگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

خوبصورت گھوڑا گاڑی بڑی سڑک سے چھوٹی ذیلی سڑک پر اُتر گئی جو سامنے نظر آنے والی عظیم الشان عمارت تک جاتی تھی۔ گھوڑے سبک روی سے دوڑ رہے تھے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ عمارت کے وسیع و عریض پھاٹک پر پہنچ گئی۔ پھاٹک پر کھڑے ہوئے چوکیدار نے بڑے ادب سے دروازہ کھول دیا تھا۔ گھوڑا گاڑی اندر داخل ہوگئی۔ چوکیدار اس طرح جھک گئے تھے جیسے آنے والا کوئی بڑا ہی مہذب مہمان ہو، پھر وہ سیدھے ہو گئے۔
پورٹیکو میں جو شخص گھوڑا گاڑی سے اترا۔ وہ سفید رنگ کے انتہائی نفیس سوٹ میں ملبوس تھا، سر پر چوڑا ہیٹ جس میں تین خوبصورت کلیاں اُڑسی ہوئی تھیں، ہاتھ میں پتلی سی چھڑی تھی جو کسی چمکدار دھات کی بنی ہوئی تھی۔ دروازے پر کھڑے ہوئے دو خوش پوش نوجوانوں نے اس کا استقبال کیا اور نوجوان نے سر جھکا دیا۔ استقبال کرنے والے اسے بڑے اہتمام سے اندر لے گئے۔ چند قدم چلنے کے بعد اُسنے اپنے ساتھ چلنے والوں سے پوچھا۔
"مسٹر شیگی موجود ہیں؟"
"جی ہاں جناب، آپ ہی کے منتظر تھے۔ تشریف لائیے"۔ استقبال کرنے والوں میں سے ایک نے کہا اور نوجوان ان کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔
ایک لمبی راہداری طے کرنے کے بعد وہ ایک بڑے کمرے کے دروازے کے سامنے رُک گئے۔ دروازوں پر بڑے خوبصورت شیشے لگے ہوئے تھے اور شاید ان کا نظام خودکار تھا۔ دروازے دونوں سمتوں سے کھل گئے اور نوجوان اندر داخل ہوگیا۔
اندر انتہائی نفیس قالین کے اوپر نہایت خوبصورت صوفے بچھے ہوئے تھے اور ان صوفوں میں سے ایک صوفے پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں میں سگار دبا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں دروازے ہی کی سمت لگی ہوئی تھیں۔ آنے والے کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر تغیر کے آثار نمودار ہوئے اور پھر اس نے سگار ہونٹوں سے نکال لیا۔
"ہیلو"، نوجوان نے مسکرا کر گردن خم کرتے ہوئے کہا۔
"ہیلو"، شیگی نے بھاری آواز میں کہا۔ لیکن اس کے چہرے پر کوئی استقبالیہ مسکراہٹ نمودار نہیں ہوئی تھی۔ اس نے نوجوان کے قریب کھڑے ہوئے دونوں آدمیوں کو دیکھا اور پھر اشارے سے اسے اپنے نزدیک بلا لیا۔ دونوں افراد اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔ یہ کون ہے شیگی نے پوچھا۔ اور ان دونوں کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔
"آپ کے مہمان جناب"۔
"کیا بکواس ہے"، شیگی آواز دبا کر بولا۔
"کک کیا مطلب؟ وہ دونوں متحیرانہ انداز میں شیگی کی صورت دیکھنے لگے"۔
"یہ وہ نہیں ہے"، شیگی غرائے لہجے میں بولا اور شاید اس کے یہ الفاظ نوجوان نے سن لئے تھے۔
"ہاں میں وہ نہیں ہوں لیکن جو کچھ ہوں میرا خیال ہے آپ کو مجھ سے مل کر خوشی ہی ہوگی مسٹر شیگی"۔ وہ آگے بڑھ کر بولا اور شیگی سخت نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔
"آپ جو کوئی بھی ہیں مسٹر لیکن جس انداز میں یہاں آئے ہیں میرے خیال میں وہ مناسب تو نہیں ہے"۔
"میں آیا نہیں ہوں مسٹر شیگی لایا گیا ہوں"۔
"کیا مطلب"۔
"وہ لوگ جنہوں نے ریلوے اسٹیشن پر میرا استقبال کیا تھا مجھے خود ہی اپنے ساتھ گاڑی میں لائے اور پھر یہاں تک لے آئے"۔
"اوہ وہ غلط فہمی کے شکار ہو گئے تھے"۔ میرا ایک مہمان آنے

والا تھا۔ شاید ان لوگوں نے یہی سمجھا کہ میرے وہ مہمان تم ہو۔"

"مسٹر شیگی اپنے گھر پر جو شخص آجائے اسے مہمان تو سمجھا جا سکتا ہے۔" باقی رہی یہ بات کہ میں ان لوگوں کے ساتھ کیوں آگیا تو یقین کریں میں نے انہیں قطعی نہیں کہا تھا کہ میں مسٹر شیگی کا مہمان ہوں۔" اب یہ بےچارے مجھے لے ہی آئے تو مجبوری تھی۔ بہر حال مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ نوجوان نے کہا۔

"اچھا کے۔ کہاں سے آئے ہو۔ رستم پور میں تمہارا کیا کام۔"

شیگی اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"سیاح ہوں۔" جگہ جگہ کی سیر کرتا ہوا تمہارے ملک میں آیا ہوں اور اب یہاں کے سارے مقامات دیکھ رہا ہوں۔ رستم پور ریلوے اسٹیشن پر اترا اور چند افراد میرے نزدیک پہنچ گئے۔ انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا۔ اور میں نے سوچا کہ یہاں کے لوگ بڑے مہمان نواز ہیں سو میں یہاں چلا آیا۔

"عجیب اتفاق ہے۔ بہر حال آ ہی گئے ہو تو شیگی کے مہمان ہو۔"

"بےحد شکر گزار ہوں۔ یہاں اجنبی تھا۔ اگر کچھ دوست مل جائیں تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

اسی وقت دروازہ کھلا اور چار آدمی دندناتے اندر گھس آئے ان میں سے ایک نے پستول نکال کر نوجوان کی طرف کر دیا تھا۔ نوجوان حیران نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے؟" شیگی نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"جناب۔ مسٹر متین کا فون آیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر وہ روانہ نہیں ہو سکے۔ ایک ہفتے کے بعد وہ یہاں کا پروگرام بنائیں گے۔" لیکن یہ شخص۔۔۔۔

"بھاگ جاؤ گدھو۔ کیا تم نے ان سے پوچھا تھا کہ یہ کون ہیں۔"

"نہیں جناب ہم سمجھے۔" وہ شخص ہکلا کر بولا۔

"میں تمہیں بخوبی سمجھاؤں گا۔" جاؤ۔ شیگی دہاڑا۔ اور وہ لوگ گھبرائے ہوئے انداز سے باہر نکل گئے۔ تب شیگی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے یہ دلچسپ اتفاق پسند آیا ہے۔ اور اب تم میرے اسی مہمان کی حیثیت سے قیام کرو گے جو نہیں آیا۔"

"بہت بہت شکریہ مسٹر شیگی۔"

"بیٹھو۔ تمہارا نام کیا ہے اور کہاں سے آئے ہو؟"

"شائیس کہتے ہیں مجھے۔ فلپائن کا باشندہ ہوں۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"میں شیگی ہوں۔" شیگی نے اس سے مصافحہ کیا اور نوجوان نے بڑے احترام سے اس سے ہاتھ ملایا۔ اور پھر شیگی نے ایک ملازم کو بلا کر نوجوان شائیس کے لئے چائے وغیرہ لانے کا حکم دیا۔ شائیس اطمینان سے بیٹھ گیا تھا۔

"ارے ہاں تمہارا سامان نہیں ہے" شیگی نے پوچھا۔

"موجود ہے۔ ایک سوٹ کیس ہے۔ میرا خیال ہے تمہارے ملازم اسے مہمان کی قیامگاہ پر ہی لے گئے ہیں۔ شائیس نے مسکراتے ہوئے کہا اور شیگی ہنسنے لگا۔ پھر مسکراتا ہوا بولا۔

"بڑا دلچسپ اتفاق ہے، بہر صورت تمہاری شخصیت مہمان کی حیثیت سے قبول ہے۔ خوبصورت آدمی ہو اور مجھے خوبصورت لوگ بےحد پسند ہیں۔ فلپائن میں تمہارا کیا شغل ہے۔"

"کچھ نہیں کرتا مسٹر شیگی، بس یوں کہئے کہ باپ کے نام پر عیش کر رہا ہوں۔"

"او ہو کیا کرتے ہیں تمہارے ڈیڈی وہاں پر؟"

"حکومت کرتے ہیں۔ نوجوان نے جواب دیا۔" اور شیگی تعجب سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"میں نہیں سمجھا" شیگی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"میں فلپائن کے شاہ کا بیٹا ہوں۔ اور غیر سرکاری طور پر سیر و سیاحت کر رہا ہوں۔"

"اوہ۔ کیا تم درست کہہ رہے ہو؟"

"ہاں جھوٹ نہیں بول رہا شیگی۔ ضرورت بھی نہیں ہے۔ تم اگر شک و شبہ کا شکار ہو تو تصدیق کر سکتے ہو۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے لیکن میرا مطلب ہے حکومت۔ کیا حکومت کو تمہاری آمد کا علم ہے۔؟"

"اگر علم ہوتا تو میں اس آزادی سے سیاحت نہیں کر سکتا تھا۔" نوجوان نے جواب دیا اور شیگی تعجب سے اسے دیکھنے لگا پھر مسکرا کر بولا

"ویسے صورت سے تو شہزادے ہی معلوم ہوتے ہو۔ بہر حال تم سے مل کر واقعی خوشی ہوئی ہے۔" چائے کا سامان آگیا۔ اور چائے کے بعد شیگی نے نوجوان کو اس کی قیامگاہ پر چھوڑ دیا۔ اس نے کہا تھا کہ شام کو وہ اس سے ملاقات کرے گا۔

رات کے کھانے کے بعد نوجوان آرام کرنے چلا گیا۔ شیگی نے اس سے بہت سی باتیں کی تھیں۔ اس وقت رات کے تقریباً تین بجے تھے جب نوجوان اپنے کمرے سے نکل آیا۔ اس نے دن ہی میں شیگی کی آرامگاہ دیکھ لی تھی۔ خوابگاہ کا دروازہ اندر سے بند تھا اور شیشوں میں سے شیگی نظر آرہا تھا۔

نوجوان بیٹھ گیا۔ اور کی ہول سے ہونٹ لگا کر اس نے سیٹی کی سی آواز نکالی۔ شیشے سے وہ شیگی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے عجیب سے لہجے میں اسے پکارا۔ شیگی اٹھو دروازہ کھولو۔ اٹھو شیگی جاگ جاؤ۔"

یہ جملہ اس نے بڑی آہستگی سے کہا تھا۔ لیکن دوسرے لمحے شیگی اٹھ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور نوجوان اندر داخل ہو گیا۔ "شکریہ شیگی دروازہ بند کر دو۔" اور شیگی نے دروازہ بند کر دیا۔

"آؤ بیٹھو۔ باتیں کریں گے"۔ نوجوان نے کہا۔ اور شیگی مشینی انداز میں مڑ گیا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان آنکھوں میں رونق نہیں تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اب بھی سو رہا ہو۔ پھر وہ نوجوان کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ گیا۔

"ہاں شیگی مجھے تمہارے بارے میں معلومات درکار ہیں۔ وہ ساری معلومات جو تمہارے کالے دھندوں کی رہنمائی کرتی ہیں، مجھے ان کے بارے میں ایک ایک تفصیل بتاؤ"۔

"بہتر جناب"۔ شیگی نے کہا اور پھر وہ شروع ہو گیا۔ اس نے نوجوان کو وہ تمام راز بتا دیئے جس کا تعلق اس کی زندگی سے تھا۔ نوجوان نے ایک چھوٹا سا ٹیپ نکال کر اپنے سامنے رکھ لیا تھا، جسے اس نے شیگی سے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی اور شیگی کے یہ سارے اعترافات اس کی زبان میں ریکارڈ ہو رہے تھے۔ شیگی بولتا رہا۔ تب نوجوان نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔

"ہاں شیگی وہ سارے کاغذات اور فائل بھی تو مجھے درکار ہیں جو تمہارے ان معاملات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں لیکن آج نہیں۔ ایسا کرنا کل تم وہ سارے کاغذات لے کر رات ٹھیک ایک بجے میری آرامگاہ میں پہنچ جانا، پھر ان کاغذات کو ہم آرام سے دیکھیں گے"۔

"بہتر جناب"۔ شیگی نے مشینی انداز میں کہا اور تقریباً دو گھنٹے بیٹھنے کے بعد نوجوان وہاں سے چلا آیا۔ اس نے شیگی کو سونے کی ہدایت کر دی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ کل دن کی روشنی میں وہ رات کا واقعہ بھول جائے گا۔ شیگی نے اس بات پر بھی گردن ہلائی تھی اور کہا تھا میں کل یہ واقعات بھول جاؤں گا"۔

"لیکن کل رات کو کاغذات لے کر میرے پاس آنا نہ بھولنا"۔

"میں کاغذات لے کر تمہارے پاس آنا نہیں بھولوں گا"۔

شیگی نے جواب دیا تھا۔ اور نوجوان چلا گیا تھا، دوسرے دن صبح ناشتہ کی میز پر شیگی کی کیفیت بالکل درست تھی۔ اس نے مسکرا کر نوجوان سے رات کے آرام کے بارے میں پوچھا۔

"بہت بہت شکریہ مسٹر شیگی۔ میں سکون سے سویا۔ لیکن سونے سے قبل مجھے ایک بُری عادت ہے"۔

"وہ کیا ہے؟"

"میں ستاروں کی مدد سے اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتا ہوں اور اس سلسلہ میں انسان بھی میری دلچسپی کا باعث بن جاتے ہیں"۔

"میں نہیں سمجھا"۔

"مثلاً تم"۔ کل کی ستارہ شناسی میں میں نے تمہیں پڑھا تھا"۔

"اوہ کیا واقعی؟" شیگی مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔

"ہاں شیگی۔ اور تمہارے بارے میں جان کر مجھے سخت حیرت ہوئی"۔

"کیا جان سکے تم میرے بارے میں"۔

"یعنی کہ تم اسمگلر ہو۔ چور بازاری بھی کرتے ہو۔ ملکی راز بھی فروخت کرتے ہو۔ تمہارے پاس دولت کے انبار ہیں اور آدھی دنیا میں تمہارا یہ سیاہ کاروبار پھیلا ہوا ہے۔"

"کیا بکواس ہے"۔ شیگی نے کہا۔

"تم ایک دیسی عورت کے بیٹے ہو جسے خود بھی یہ بات معلوم نہیں کہ تمہارا باپ کون ہے"۔

"یہ تم میری مہمان نوازی کا صلہ دے رہے ہو"۔ شیگی دھاڑا۔

"پچھلے سال تم نے لاگوس کی ایک مقتدر شخصیت کو بھی قتل کرایا تھا جس کے عوض تمہیں ایک بڑی رقم ملی ہے"۔

"میں تمہیں شوٹ کر دوں گا"۔

"اور اب تم ایک اور سیاسی قتل پر مدعو کئے گئے ہو"۔

"تم۔ تم کون ہو؟"

"پرنس شائیس"۔ نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے بارے میں یہ سب کچھ کس طرح جانتے ہو"۔

"ستاروں کی مدد سے، میں نے تمہیں بتایا تھا شیگی"۔

"میں ستارے وتارے نہیں مانتا، تمہاری شخصیت پہلے ہی میرے لئے پراسرار تھی اور اب اور زیادہ ہو گئی ہے، تم کیا سمجھتے ہو کیا میں کسی ایسے آدمی کو آزاد چھوڑ سکتا ہوں جو میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہو"۔

"میں نے جو کچھ کہا ہے غلط تو نہیں کہا شیگی"۔

"ہاں غلط نہیں کہا لیکن تمہاری یہ معلومات میرے لئے بے حد خطرناک ہو سکتی ہیں تم جس وقت بھی چاہو میرے لئے کوئی بھی خطرناک قدم اٹھا سکتے ہو"۔

"ہاں شیگی تمہارا کہنا درست ہے، لیکن خود میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کچھ بھی نہیں اور نہ ہی میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں، میں صرف یہ معلوم کرنا پسند کروں گا کہ تمہیں یہ ساری معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں"۔

"عجیب احمقانہ گفتگو کر رہے ہو شیگی۔ کیا میں تمہیں بتا نہیں چکا؟" "جو کچھ مجھے تم نے بتایا ہے اسے میں نے تسلیم نہیں کیا" شیگی نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہ کرو اس سے کیا فرق پڑتا ہے"۔ پرنس شائیس نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"فرق، بہت فرق پڑتا ہے پرنس شائیس۔ تم اگر فلپائن کے شہزادے بھی ہو تو ظاہر ہے کسی کو یہ بات نہیں معلوم کہ تم اس

وقت میری کوٹھی میں ہو، میں تمہیں یہیں قتل کروں گا اور یہیں دفن کر دوں گا اور تمہاری کہانی کبھی اس عمارت سے باہر نہیں جائے گی تمہیں صرف تلاش ہی کیا جاتا رہے گا، کیا سمجھتے ہو تم شیگی کو اس کے بارے میں اتنا جاننے کے باوجود تم اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے۔" "ہاں شیگی اس کی بھی وجہ ہے۔"

"وہ کیا۔"

"میں ساری دنیا میں خود کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ میں حق بجانب ہوں۔"

"مار کھا جاؤ گے دوست۔"

"آزمائش شرط ہے۔ نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ بات ہے شیگی کی مسکراہٹ خوفناک ہو گئی پھر اس نے زور سے آواز دی۔"

"بنگارو۔"

تین افراد ایک دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ یہ تینوں سیاہ فام تھے۔ اور ان کے جسموں پر لنگوٹ کسے ہوئے تھے۔ ان کے بدن کی فولادی مچھلیاں صاف نظر آ رہی تھیں جن سے ان کی جسمانی قوت کا اندازہ ہوتا تھا۔

"پرنس کو نہایت عزت کے ساتھ مارو۔" مجھے ان سے ایک بات اگلوانی ہے اور پرنس جس وقت آپ ان تینوں سے اکتا جائیں تو اعلان کر دیں کہ آپ اپنی حقیقت بتانے پر آمادہ ہیں۔ یہ رک جائیں گے۔"

"مجھے یہ بات پسند نہیں شیگی۔" پرنس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"تم خود ہی یہ کوشش کرتے تو ٹھیک تھا۔"

"اوہ تم میرے قابل نہیں ہو پرنس۔"

"اور تم میرے قابل نہیں ہو۔" باقی رہی ان لوگوں کی بات کہ ان کی کیا مجال کہ مجھے ہاتھ بھی لگا سکیں۔"

"اب یہ بات بھی نہیں ہے پرنس۔ یہ بڑے وفا شناس ہیں اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اس کی بجا آوری میں یہ ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے۔" بنگارو چلو شروع ہو جاؤ، پرنس اپنے بارے میں بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں۔"

"بن۔ گا۔ رو۔" کیا یہ ان تینوں کا نام ہے پرنس شائیس نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ تینوں اس کی جانب خونخوار نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور پرنس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔

"پیارے دوستو بہتر یہ ہے کہ مجھ سے لڑنے کی بجائے تم خود آپس میں لڑو، اور ہاں کوئی کسر نہ رہ جائے، اگر تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے ہاتھوں مارا گیا تو میرا خیال ہے مسٹر شیگی بالکل ناراض نہیں ہوں گے، چلو شروع ہو جاؤ اور شیگی نے ایک حیرتناک منظر دیکھا۔"

اچانک وہ تینوں آپس میں گتھ گئے تھے، ایک دوسرے کے سخت دشمن بن گئے تھے۔ حالانکہ وہ تینوں گہرے دوست تھے اور شیگی نے انہیں بڑی محنت سے تربیت دی تھی۔ وہ پوری قوت سے ایک دوسرے سے جنگ کرنے لگے، گھونسے، لات، تھپیڑ جو کچھ بھی ہو سکتا تھا چل رہے تھے اور شیگی۔ وہ تو چند لمحات کے لئے متحیر ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان لوگوں نے پرنس کی بات اس طرح کیوں مان لی تھی تب وہ خونخوار انداز میں دہاڑا۔

"او گدھے کے بچو، میں نے تم سے کہا ہے کہ پرنس کو مارو۔"

"خاموش ہو جاؤ شیگی انہیں لڑنے دو۔" ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تمہاری ہی تکا بوٹی کر ڈالیں۔"

"بکواس مت کرو۔" اے تم لوگوں نے سنا نہیں، میں تمہیں گولی مار دوں گا شیگی نے کہا اور پستول نکال لیا۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے تینوں سیاہ فاموں پر اس کی دھمکی یا اس کی آواز کا کوئی اثر ہی نہ ہوا ہو۔ وہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے لیکن شیگی ان پر گولی نہیں چلا سکا۔ ان میں سے دو زمین پر لیٹ گئے تھے اور تیسرا شرابیوں کے سے انداز میں جھول رہا تھا۔ پھر وہ بھی زمین پر گر پڑا۔ تینوں

نوزن میں لہولہان تھے۔

"کیا خیال ہے شیگی"۔ نوجوان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

اور شیگی چونک پڑا۔ پھر اس نے پھیکے انداز سے کہا۔

"شاید تم کوئی ہپناٹسٹ ہو"۔

"ممکن ہے"۔

"ممکن نہیں۔ حقیقت ہے"۔

"چلو ٹھیک ہے"۔

"لیکن اس کے باوجود تمہیں میرے بارے میں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہو گیا"۔

"یہ کون سی بڑی بات ہے شیگی۔ ٹھہرو میں تمہیں سناتا ہوں۔ نوجوان نے کہا اور پھر اس نے اپنی جیب سے ایک ٹیپ ریکارڈر نکال لیا"۔ پستول جیب میں رکھ لو اس کی موجودگی مفاہمت کی فضا کو ختم کرتی ہے"۔

شیگی نے پستول جیب میں رکھ لیا تھا۔ "میں اگر چاہوں شیگی تو تم بازاروں اور سڑکوں پر اپنے کالے کرتوتوں کی داستان سناتے پھرو۔ تم اپنے آپ کو بہت بڑا مجرم سمجھتے ہو۔"

"لیکن شیگی نے کہنا چاہا"۔

"بڑا مجرم میں ہوں شیگی۔ میری قوت کے سامنے دوسری کوئی قوت نہیں ٹک سکتی۔ سنو۔ یہ اعتراف کس نے کیا ہے۔ نوجوان نے کہا اور ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔ اور پھر شیگی کے اعترافات سنائی دینے لگے"۔

شیگی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں، پھر جب وہ ساری باتیں سن چکا تو اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"لیکن تم نے ایسا کیوں کیا، یہ تو میری ہی آواز ہے"۔ اس نے کہا

"ہاں شیگی میں نے کہا نا میں خود کو سب سے بڑا مجرم سمجھتا ہوں اور یہ بات کسی طور گوارہ نہیں کر سکتا کہ کوئی دوسرا شخص میرے مقابل رہے یہاں اس شہر سے میں نے مجرموں کا خاتمہ کر دیا ہے اور تمام جرائم پیشہ افراد کو اپنا مطیع کر لیا ہے۔"

"کیا مطلب"۔ شیگی نے تعجب سے پوچھا۔

"دراصل یہ میری ہابی ہے مسٹر شیگی، میں ملک ملک کی سیر کرتا ہوں اور وہاں پر اپنی برانچیں بنا کر چھوڑ دیتا ہوں، میری ہدایات یہی ہوتی ہیں ان لوگوں کے لئے کہ دنیا سے جرائم کا خاتمہ کیا جائے اور مجرموں کو ایسا ماحول مہیا کیا جائے کہ وہ جرائم چھوڑ دیں، وہ جو عادی مجرم ہوتے ہیں انہیں قانون کے حوالے کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی سزا بھگتتے رہیں۔ اور وہ جن میں سدھرنے کی صلاحیت ہوتی ہے انہیں ہم اچھائیوں کی جانب لے آتے ہیں۔ یہ میرا مشن ہے شیگی جہاں تک رہی دولت کمانے کی بات تو مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں صرف انہیں اس کی اجازت دے سکتا ہوں جو میرے فرمانبردار ہوں"۔

"تو کیا تم مجھے بھی اپنا مطیع کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں شیگی یہی مقصد ہے میرا۔ بس یہی چاہتا ہوں کہ تم اپنے آپ کو بڑا سمجھنا چھوڑ دو اور میری سرپرستی میں آجاؤ"۔

"لیکن شیگی نے ایسا کبھی نہیں کیا"۔

"کرنا ہو گا شیگی، مجبوری ہے"۔ پرنس نے کہا اور شیگی خونخوار نگاہوں سے اسے گھورتا رہا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اور اگر میں تمہاری پناہ میں آنے سے انکار کر دوں تو"۔

"تو اس دنیا میں تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا۔ تم کتوں کی طرح سڑکوں پر بھونکتے پھرو گے شیگی۔ ایسا کرو۔ آج اس موضوع پر بات نہیں کرتے۔ آج رات تم مجھے اپنے وہ خفیہ کاغذات پیش کر دو گے جن میں تمہارے کالے کرتوتوں کا تحریری ثبوت موجود ہے۔ اور اس کے بعد۔"

"میں کیوں پیش کروں گا"۔

"یہ تو آنے والا وقت بتائے گا"۔

"اوہ۔ اب کوئی وقت نہیں آئے گا" شیگی نے کہا اور پستول دوبارہ نکال لیا۔

"اس پستول میں رنگین پانی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے شیگی"۔ میں اپنی حفاظت کا بندوبست ہمیشہ رکھتا ہوں"۔ نوجوان مسکراتا ہوا بولا۔ اور شیگی نے فائر کر دیا۔ لیکن اس فائر کے نتیجے نے بھی اسے بوکھلا دیا تھا۔ پستول سے گولی کے بجائے پانی کی رنگین دھار نکلی تھی۔

شیگی بوکھلا کر پستول دیکھنے لگا۔ "بس ختم کرو شیگی۔ کل گفتگو کریں گے"۔ نوجوان نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"سنو۔ سنو تو" شیگی بھرائی ہوئی آواز میں بولا"۔

"ہاں کہو"۔

"میں تم سے تعاون کرنا چاہتا ہوں۔ بولو مجھ سے کیا چاہتے ہو"۔

"یہ بھی کل ہی بتاؤں گا شیگی"۔

"لیکن کل تک .... میں پریشان رہوں گا"۔ شیگی اب بالکل پست ہو گیا تھا۔

"مجبوری ہے شیگی"۔ کل تک تم مزید کوشش کرنا کہ مجھے اپنے راستے سے ہٹا سکو۔ لیکن کل کے بعد تم یہ خیال ہمیشہ کے لئے ذہن سے نکال دینا"۔

"اوہ۔ تم پراسرار قوتوں کے مالک ہو۔ میں جان چکا ہوں۔ میں تم سے مقابلہ نہیں کر سکتا"۔

"کل تک کیلئے خدا حافظ شیگی"۔ نوجوان اس کے کمرے سے نکل آیا اور شیگی بے چارگی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر وہ تینوں کی جانب متوجہ ہو گیا جو بیہوش پڑے ہوئے تھے۔

دوسرے دن شیگی نے نوجوان پرنس شائیس کو پورے سسٹم پر

میں تلاش کر ڈالا۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا۔ نوجوان شائیس نے کہا تھا کہ آج رات شیگی اپنے خفیہ کاغذات اس کے حوالے کر دے گا۔ یہ کاغذات درحقیقت شیگی کے لئے زندگی موت کا درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اسی خوف کے تحت وہ پوری رات نہیں سو پایا تھا۔

اور پھر صبح اس نے خفیہ تجوری سے اپنے کاغذات نکالنے چاہے تو وہ غائب تھے۔ پرنس کی ہر ممکن تلاش کے بعد مایوس ہو کر وہ اپنی عمارت میں واپس آ گیا تھا۔ اور اب اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے۔ وہ اس قابل بھی نہیں رہ گیا تھا کہ کھڑا رہ سکے

پوری رات اسے یاد تھی۔ لیکن رات کو تین بجے سے چار بجے تک کا وقت اس کے ذہن سے محو تھا۔ سخت کوشش کے باوجود اسے یاد نہیں آ سکا کہ اس وقت اس نے کیا کیا تھا۔

لیکن کاغذات غائب تھے۔ شام کی چائے پر اچانک شائیس مسکراتا ہوا پہنچ گیا۔

شیگی اسے دیکھ کر اچھل پڑا تھا "تم.... تم کہاں چلے گئے تھے"۔ اس نے خوفزدہ لہجے میں سوال کیا۔

"اوہ ڈیئر شیگی کچھ ضروری کام تھے۔ ان کی انجام دہی کے لئے۔ چائے پلاؤ سخت تھکن محسوس ہو رہی ہے"، وہ اطمینان سے بیٹھتا ہوا بولا

شیگی کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ وہ اس کی بوٹیاں اپنے دانتوں سے نوچ ڈالتا۔ وہ کتنا پریشان ہوا تھا اور جتنا ہوا تھا اتنا وہ ساری زندگی میں کبھی نہیں ہوا تھا، نہ جانے یہ کم بخت کیا بلا ہے۔ یہ سارا ماجرا اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ تاہم اس نے اپنے غصے پر قابو پایا۔ اور نہایت سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"وہ۔ وہ کاغذات میری تجوری سے غائب ہیں"۔

"تم نے خود ہی مجھے لا کر دیئے تھے شیگی"۔ نوجوان نے سکون سے کہا اور شیگی کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ کافی دیر تک اس کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

"تو پھر اب۔ اب وہ کہاں ہیں؟"

"میں نے انہیں بڑی محفوظ جگہ رکھ دیا ہے۔ البتہ ان کی نقول موجود ہیں۔ میں نے ان سب کی فوٹو اسٹیٹ نکلوائی ہیں اور میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ ممکن ہے کبھی تمہیں ان میں سے کچھ دیکھنے کی ضرورت پیش آئے تو تم دیکھ سکو، چنانچہ اپنی امانت تم سنبھالو۔ یہ لو"۔ نوجوان نے کاغذات کا ایک پلندہ نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔

اور شیگی جلدی سے اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ یہ اس کے وہ کاغذات تھے جو اس کی موت کا پروانہ بھی بن سکتے تھے۔

"مگر۔ مگر تم ان کا کیا کرو گے"۔ شیگی نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"میں کچھ نہیں کروں گا شیگی"، میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میں کل تم سے بات کروں گا، دراصل میں تم سے ایک معاہدہ کرنا چاہتا ہوں، نوجوان نے کہا اور شیگی اس کی صورت دیکھتا رہا۔ چائے آ گئی تھی، شیگی نے خود ہی اس کے لئے چائے بنائی اور اسے پیش کر دی۔ چند ساعت خاموش رہنے کے بعد شیگی نے اس خاموشی کو توڑا اور بولا۔

"کیسا معاہدہ؟"

"دراصل شیگی میں تمہیں اپنی ہابی بتا چکا ہوں میں مختلف ممالک میں اپنی ایسی برانچیں قائم کرتا ہوں جہاں جرائم کی بیخ کنی بھی کی جاتی ہے اور بعض اوقات جرائم کی سرپرستی بھی، ایک عجیب و غریب صورت حال ہے، یہاں اس ملک میں اس شہر میں، ان اطراف میں، میں نے سنا ہے کہ تمہاری آواز کافی بلند ہے، سرکاری حکام سے تمہاری دوستی ہے اور تمہارے معاملے میں قدم کوئی مداخلت نہیں کرتا، چنانچہ شیگی میرے ادارے کو تمہارے تحفظ کی ضرورت ہے تم اس کی پشت پناہی کرو گے اور وقت ضرورت اس کی امداد بھی۔ یہ امداد کسی طور مالی نہیں ہو گی، کیونکہ مالی حیثیت سے میرا ادارہ خاصا مضبوط ہے۔ لیکن اگر کبھی کوئی سرکاری الجھن پیش آ جائے تو اس کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہو گی۔ اور تمہارے یہ کاغذات ضمانت کے طور پر ہمارے پاس رہیں گے"۔

"اوہ" شیگی کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ لیکن تمہارے ادارے کی کارکردگی کیا ہے شیگی نے پوچھا اور نوجوان اسے تفصیل سے بتانے لگا۔ شیگی تحیرانہ انداز میں یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ تب اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

"تو گویا ایسا کوئی ادارہ یہاں کام کر رہا ہے؟"

"ہاں شیگی اور بہت کچھ کر چکا ہے"۔

"تعجب ہے۔ میں اس سے اب تک لاعلم ہوں۔ یہ تو بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہو گا"۔

"ہاں شیگی۔ نہایت اعلیٰ پیمانے پر"۔ میرے جانے کے بعد فضل خان اس کا روح رواں ہے تم اس سے معاونت کرو گے"۔

"اگر صرف اتنی سی بات ہے تو پھر آؤ دوستی کا معاہدہ کریں کاغذات مجھے واپس کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ"

"اور میں وعدہ کرتا ہوں شیگی کہ ان کاغذات سے کبھی کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا جائے گا"۔

"لیکن اگر ...."

"ہمیں اعتماد کی فضا میں کام کرنا ہو گا؟"

"تمہاری مرضی۔ ویسے تمہارے ادارے سے میں بھی دلچسپی رکھتا ہوں۔ تم اس کی طرف سے بے فکر رہو"۔

"شکریہ شیگی۔ اب میں بھی تمہیں اعتماد دوں گا۔"

"کیا مطلب؟"

"میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں زمین دوز عدالت لے چلوں اور اپنے ساتھیوں سے ملاؤں۔ تاکہ وہ تمہارے تعاون پر بھروسہ کرلیں۔"

"میں تیار ہوں" شیگی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فضل خان اور شیگی ایک دوسرے سے واقف تھے۔ فضل خان نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا تھا۔

"اتنا بڑا آدمی اس جگہ؟"

"بڑے تو اب تم ہو فضل خان۔ اور خوش نصیب بھی کہ ایک ایسے آدمی کا تعاون حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔"

"کیسا کاروبار چل رہا ہے؟" شیگی بولا۔

"بہت عمدہ" "کئی بار تمہیں تلاش کیا لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ فضل خان اتنی بلندیوں پر پہنچ گیا ہے۔ اور اب..... اب تو تم شیگی کے بھی باس بن گئے ہو۔"

"میں۔؟" فضل خان تعجب سے بولا۔

"ہاں۔ اب میں تمہارا محکوم ہوں۔"

"وہ کس طرح؟"

"نہیں فضل خان" یہ صرف مسٹر شیگی کا احساس ہے۔ یہ نہ صرف ہمارے معاون بلکہ محافظ ہوں گے اور ہماری سرکاری الجھنوں کو حل کریں گے۔ اب یہ اسے کچھ بھی سمجھ لیں۔"

"بہرحال شاباش۔ مجھے تمہارا یہ پروگرام بہت پسند آیا ہے اور اس کے فروغ کے لئے میں دس لاکھ روپے مالی امداد کے طور پر پیش کرتا ہوں۔"

"بہر تنس شاباش تمہارا بے حد شکر گزار ہے۔"

فضل خان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور نوجوان مسکرا رہا تھا۔ "اوئے شیر خان مان لے میرے یار۔ مان لے۔"

"مجھے شرمندہ مت کرو فضل خان۔" "تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہم نے سماج کے لئے کتنا بہترین کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ کام تو دنیا بھر کی حکومتوں کو کرنا چاہئے جو ہم چند لوگ اپنے طور پر کر رہے ہیں۔"

"وہ سب ٹھیک ہے لیکن میں تو تیرے جانے کی بات کر رہا ہوں۔"

"میرا جانا تو بے حد ضروری ہے فضل خان، تم خود سوچو جو کچھ میں نے کیا ہے، اگر تم اس سے متفق ہو تو کیا میں یہیں پر محدود ہو جاؤں بے شمار ممالک ایسے ہیں فضل خان جہاں کے قانون پوری طرح اپنے شہریوں کو مطمئن نہیں کر پاتے۔ میں جو کچھ کرتا ہوں انسانیت کے راستے پر چلتا ہوا کرتا ہوں۔ محمد خان جیسے بہت سے لوگوں کو ہماری ضرورت ہے اور میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں یہاں آتا رہوں گا کسی قریبی ملک میں اپنے اس کھیل کی داغ بیل ڈالنے کے بعد وہاں اپنی زیر زمین عدالت مضبوط کرنے کے بعد میں پھر واپس آؤں گا اور اس کے بعد ممکن ہے میں ایک طویل عرصہ تک تمہارے ساتھ قیام کروں۔ مجھ سے محبت کے اظہار کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ یہ عدالتیں بہتر طور سے کام کرتی رہیں۔"

فضل خان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور شیر خان نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لپٹا لیا۔

"فضل خان میں نے تجھے بتایا تھا کہ میرے وجود سے اتنی محبت مت کر میں تو صفر ہوں جس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے۔ میری زندگی اور موت سے اس زمین پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ چنانچہ میں اپنی ذات کے وہ نقوش چھوڑ جانا چاہتا ہوں کہ کم از کم لوگ صفر کو بھی اہمیت دینے لگیں، بہرصورت مجھے یقین ہے کہ تو میری مدد کرے گا اور مجھے جانے سے نہیں روکے گا۔"

فضل خان نے آنسو پونچھے اور گردن ہلا دی۔ شیر خان مسکرانے لگا تھا۔ کسٹم آفیسر نے اس نوجوان کی طرف دیکھا جو بڑے اطمینان سے کھڑا ہوا تھا اور پھر اس نے وہ سوٹ کیس اٹھایا جو کافی وزنی تھا اور جس کا وزن دیکھ کر ہی اسے کچھ شبہ ہوا تھا۔

"کیا ہے اس سوٹ کیس میں۔" اس نے سوال کیا۔

"اسلحہ اور کرنسی۔" نوجوان نے جواب دیا اور کسٹم آفیسر چبھتی ہوئی نگاہوں سے اسے گھورنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ نوجوان مذاق کر رہا ہے تب اس نے جھلائے ہوئے انداز میں سوٹ کیس کھولا اور یہ دیکھ کر حیرت سے اس کی آنکھیں کھل گئیں کہ سوٹ کیس میں ایک اسٹین گن، کچھ گرینیڈ اور کرنسی نوٹوں کی گڈیاں موجود تھیں کسٹم آفیسر کا منہ حیرت سے کھلا۔ اس نے متحیرانہ نگاہوں سے نوجوان کو دیکھا تب نوجوان مسکراتا ہوا بولا۔

"اسے بند کر دو آفیسر" مجھے یقین ہے کہ تم اس پر کلیرنس چٹ لگا دو گے۔ ظاہر ہے اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ کیوں کیا خیال ہے تمہارا۔؟"

کسٹم آفیسر نے چند ساعت اس کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے سوٹ کیس بند کر دیا۔

"ہاں اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ نرم لہجے میں بولا اور پھر اس نے سوٹ کیس بند کر کے اس پر کلیرنس چٹ لگا دی۔

"شکریہ آفیسر۔" نوجوان نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور ایئرپورٹ کی عمارت کی جانب چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک ٹیکسی تلاش کر رہا تھا کسی نئے ملک میں کسی نئے ہنگامے کا آغاز کرنے کیلئے۔